سلسلۂ مطبوعات-8

اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ

مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

تفسیر بیان القرآن

ایک جائزہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصنف

مولانا مفتی محمد اظہار الحق قاسمی

استاذ دار العلوم وقف دیوبند

پیش لفظ

پروفیسر عبد الرحیم قدوائی

مرتب سلسلۂ مطبوعات

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم

زیرِ اہتمام

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

براؤن بکس، علی گڑھ

© پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ

Tafseer Bayanul Quran: Ek Jayeza

by

Maulana Mufti Mohammad Izharul Haque Qasmi

UNDER THE AEGIS OF
K.A. NIZAMI CENTRE FOR QURANIC STUDIES
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY, ALIGARH

ISBN: 978-81-19399-12-3

ایڈیشن	:	2023
قیمت	:	₹ 300
کاغذ	:	70 gsm نیچرل شیڈ
مطبع	:	Images & Impressions، نئی دہلی۔110002
ناشر	:	براؤن بکس، علی گڑھ۔202001

No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system, or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopy, recording or otherwise, without prior permission of the author/publisher.

Published by:
Brown Books
Opp. Blind School, Qila Road,
Shamshad Market, Aligarh - 202001
Mob: +91 7906863461, Ph: 0571 2970227
E-mail: bbpublication@gmail.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مضامین

- پیش لفظ 7
- مقدمہ 9
- ابتدائیہ 14
- دنیا کی ہر زبان میں اس کے ترجمے ہوئے 16
- ترجمہ کا مفہوم 18
- تفسیر کی لغوی تعریف 20
- تفسیر کی اصطلاحی تعریف 21
- تفسیر قرآن عہد رسالت میں 24
- تفسیر قرآن عہد صحابہؓ میں 25
- تفسیر قرآن عہد تابعین میں 26
- علم تفسیر میں اسرائیلی روایات 27
- تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تفسیر 28
- عربی تفاسیر اور ہندوستان 29
- اردو میں تفاسیر قرآن 32
- بیان القرآن سلسلۂ تفاسیر کی ایک اہم کڑی 34
- مفسر بیان القرآن: ایک تعارف ولادت اور خاندانی احوال 35
- تعلیم وتربیت اور حضرات اساتذۂ کرام 36
- حضرت حکیم الامتؒ کے اساتذہ 37
- زمانۂ طالب علمی کی پہلی تصنیف 38
- طالب علمی کے احوال 39

toobaa-elibrary.blogspot.com

○ دارالعلوم کے زمانہ قیام میں چند معمولات 39
○ مسند تدریس پر 40
○ حضرت تھانویؒ کے اصولِ تدریس 41
○ طلبہ سے متعلق ہدایات 42
○ تھانہ بھون واپسی 42
○ حضرت تھانوی کے چند نامور تلامذہ کرام 43
○ بیعت وسلوک 43
○ پہلا سفر حج 44
○ دوسرا سفر حج اور اجازت بیعت 44
○ حضرت حاجی صاحب کی دو وصیتیں 45
○ خانقاہ امدادیہ اور دینی خدمات 46
○ مواعظ وملفوظات 47
○ رشد وہدایت اور احسان وسلوک 48
○ مقصود بیعت 49
○ اسوۂ حسنہ رسول اکرم ﷺ 51
○ حضرت تھانویؒ کی مجالس 52
○ حضرت تھانویؒ کی تصانیف 52
○ تصانیف تھانوی کی نوعیت 53
○ قرآن پاک کی خدمت 54
○ تجوید وقراءت ومتعلقاتِ علوم قرآنی 55
○ علوم القرآن 56
○ ترجمہ قرآن کریم اور ہندوستان 58
○ اردو کا پہلا مکمل ترجمۂ قرآن 59
○ حضرت تھانویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں فرق 60

toobaa-elibrary.blogspot.com

- بیان القرآن کا ترجمہ اور تفسیر 61
- تفسیر لکھنے کی وجہ 61
- تفسیر بیان القرآن کا آغاز 63
- نظر ثانی اور اصلاحات 63
- تفسیری مآخذ 64
- ناگزیر اصطلاحات 65
- بیان القرآن کی پہلی اشاعت 66
- بیان القرآن کی مختلف اشاعتیں 66
- تفسیری اصول 69
- بیان القرآن اصول تفسیر کے معیار پر 74
- اصول تفسیر اور تفسیری خصوصیات 75
- بیان تفسیر میں حضرت تھانویؒ کے اصول 77
- حضرت تھانویؒ کے ترجمہ و تفسیر کی خصوصیات 79
- حضرت تھانویؒ کا تفسیری مزاج 85
- تفسیر کے لئے عناوین کا اہتمام 86
- بیان القرآن کے حواشی 89
- بیان القرآن کی دیگر خصوصیات 91
- بیان القرآن میں معرفت کا رنگ بھی غالب ہے 94
- قرآنیات سے متعلق حضرتؒ کے چند رسائل 95
- بیان القرآن سے استفادہ کرنے والے مفسرین 96
- بیان القرآن میں شریعت، معرفت دونوں موجود ہیں 97
- استیعاب مالہٗ وما علیہ 98
- چند تفسیری مثالیں 100
- دیگر تفاسیر کے درمیان بیان القرآن 104

toobaa-elibrary.blogspot.com

- بیان القرآن اور کلامیات 105
- نقلیات پر عقلیات کا انطباق 108
- عقل ونقل میں تطبیق کا طریقہ 110
- ذات وصفات سے متعلق شبہات میں ایجاز واعجاز 111
- قواعد منطقیہ کی رعایت 112
- تاویل کے باب میں مسلک اشاعرہ اور ماتریدیہ کا لحاظ 114
- مسئلہ رفع عیسیٰ علیہ السلام 115
- حضرت تھانویؒ کا فقہی ومنطقی طرزِ استدلال 117
- علم کلام کے لئے بیان القرآن قابل اہمیت ہے 118
- تفسیر بالماثور اور بیان القرآن 120
- علمائے اہل سنت والجماعت 124
- قرآن عائلی واجتماعی مسائل کو بھی زیر بحث لاتا ہے 124
- بیان القرآن اور فقہ اسلامی 126
- حضرت تھانویؒ کا فقہی استنباط 127
- مسائل کے استنباط واستخراج کا طریقہ 134
- مسائل السلوک کا اہتمام 139
- غیر اسلامی نظریات کی تردید 141
- مدعیان طریقت کا طریقہ 141
- لقائے حقیقی سے محروم شخص 142
- قرآن کا لغوی وبلاغتی اعجاز 143
- علم القراءت والاعراب 146
- ترجمہ پر اہل علم کی آراء 147
- تفسیر پر اہل علم کی آراء 148
- کتابیات 150

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے ''پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ'' کو یہ توفیق بخشی کہ وہ ''برّصغیر میں اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ'' کے مختلف زاویوں کو کتابی صورت میں علمی حلقوں کے سامنے پیش کرے۔

یقینی طور پر یہ کام بہت محنت اور دقت طلب ہے لیکن الحمدللہ اس ادارے کو مخلص رفقاء کا تعاون ماضی میں ملتا رہا ہے اور اس مرتبہ بھی معتبر مصنفین کی گراں قدر علمی معاونت نے ہمارے حوصلوں کو مہمیز کیا اور ہم نے اس عظیم کام کا بیڑا اللہ کے فضل وکرم کے سہارے اٹھالیا۔

اردو تفاسیر وتراجم کا کام تو انیسویں صدی عیسوی میں بھی ہوا لیکن بیسویں صدی عیسوی میں شائقین علومِ قرآن نے اردو تفاسیر پر جتنا عظیم کام کیا اس کی مثال دوسری زبانوں میں مشکل سے ہی ملے گی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق گذشتہ صدی میں بے شمار اردو تفاسیر منظر عام پر آئیں جن کو مختلف مسالک سے وابستہ علمائے کرام نے انجام دیا اور قرآن مجید کے سربستہ رازوں کو کھولنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کردیں، ظاہر ہے کہ تمام تفاسیر کا جائزہ لینا نہ تو کسی ایک ادارے کے بس کا ہے اور نہ ہی اتنے افراد موجود ہیں اور نہ ہی اتنی مقدار میں زرِ کثیر مہیّا ہے کہ مختلف نظریات ومسالک کی حامل تفاسیر کا جائزہ لیا جاسکے۔ اسی وجہ سے چند تفاسیر کا انتخاب کر کے اصحاب علم وقلم کے مشوروں سے اس سمت میں کام کا آغاز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے اور تمام معاونین کو اجرِ عظیم اور جزائے جزیل عطا فرمائے آمین۔

برّصغیر کے علمی حلقوں میں ایسے مفسرین جنہوں نے قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کو سمجھ کر اپنے مکتبِ فکر کے مطابق پیش کیا اُن کی ذاتی رائے سے اختلاف کی گنجائش ہمہ وقت موجود ہے۔ علمی دنیا کا یہی طرّہ امتیاز ہے کہ وہ کسی بھی پیش کش کو علم کی کسوٹی پر پرکھے۔ موجودہ تفسیری سلسلہ میں کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے تمام معتبر طبقوں کے نامور مفسرین کی خدمات پر روشنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈالی جائے، کسی بھی مفسر کی خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے دیگر مفسرین کی خدمات کو نظر انداز نہ کیا جائے، کسی مفسر کے تئیں تنقید نگار کا ناقدانہ و عالمانہ جائزہ ہی ہمارا مقصد اصلی ہے کسی مسلک ومکتبِ فکر کی بالاتری یا دوسرے کی تضحیک ورسوائی سے اجتناب کرتے ہوئے مثبت انداز میں مفسّر کے مدلول کو واضح کرنے اور اس کے تفسیری محاسن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر کہیں کوئی سقم محسوس ہوتا ہو تو اسے شائستہ انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرنا ادارے کا مطمح نظر ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ اہل علم نے ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس قرآنی خدمت کو آگے بڑھایا اور ہماری دی ہوئی مدّت یا اس سے کچھ زائد عرصہ میں کام کو مکمل کیا۔ اس سلسلے کی آٹھویں پیش کش مولانا مفتی محمد اظہار الحق قاسمی صاحب کا تحقیقی مقالہ ''تفسیر بیان القرآن: ایک جائزہ'' قارئین کے پیش نظر کیا جارہا ہے جس کے لئے ہم اللہ رب العزت کے شکر گذار ہیں کہ اس نے یہ سعادت بخشی، ادارہ محترم مولانا مفتی محمد اظہار الحق قاسمی صاحب کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہے جنہوں نے اپنے مصروف ترین وقت میں سے کچھ وقت نکال کر ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید علمی اشتیاق عطا فرمائے آمین۔

زیر مطالعہ کتاب کے مسودے پر مولانا رفیق احمد رئیس سلفی صاحب نے تفصیلی نظر ڈالی ہے اور اس کے علمی استناد میں اضافہ کیا ہے۔ اس علمی معاونت کے لیے ہم تہہ دل سے مولانا سلفی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

براؤن بکس اور اس کے منتظمین کا بطور خاص شکریہ ادا کرنا ہمارا فرض منصبی بنتا ہے جو مرکز علوم القرآن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مطبوعات کو شائع کرنے میں ہمیشہ سے ہمارے معاون رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاونین ومساعدین کو برکات وحسانات سے نوازے اور کتاب کو مقبول عوام وخواص بنائے آمین۔

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم
مرتب سلسلہ مطبوعات
ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ
جولائی ۲۰۲۳ء

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی
اعزازی ڈائریکٹر
خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ

قرآن کریم ایسی ابدی، لازوال، آفاقی اور دائمی کتاب ہے جو انسانیت کی رہنمائی اور نفوس انسانی کے انفرادی واجتماعی تزکیہ وہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے۔ یہ اللہ کے بندوں کے نام اللہ کا ایسا پیغام ہے جس میں عمومی دعوت اور رہتی دنیا تک کے لئے ہدایت موجود ہے۔ جو اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں وہ نہ صرف خود راہ یاب ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی ہادی ورہنما بن جاتے ہیں۔

یہ پیغام ایسے جامع کلام کی شکل میں ہے جس میں تعمق ہے، گہرائی ہے، جامعیت و کاملیت ہے، فصاحت و دل کشی ہے، گنجینۂ ہدایت ہے، یہ کلام پر کشش و پُر تاثیر ہے، علوم و معانی کا سرچشمہ ہے، حکمت و دانش کا دفینہ ہے۔ اس میں تاریخ ہے، نظام ہائے جاہلیہ کا ذکر ہے، راست عقائد واحکام ہیں، اولیاء الرحمٰن کی صفات ہیں تو اولیاء الشیطان کے اوصاف ہیں، انبیاء وصدیقین، شہداء وصالحین کی منقبت اور واقعات ہیں، تو ملحد ومشرک کی خرافاتی سوچ اور عمل و ذہنیت کا تذکرہ ہے۔ اس میں گذشتہ اقوام کی فراہم کردہ سامان ہدایت کا ذکر ہے تو گذشتہ قوموں کے عروج وزوال کی داستان اور اپنی مقدس کتاب سے ان کی عدم دلچسپی کا تذکرہ ہے۔ اس میں از آدمؑ تا محمد ﷺ اہم انبیاء ورسل اور ان کی اقوام کی تہذیبی ونظریاتی حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں معاشرتی اقدار کی بنیادیں رکھی گئی ہیں، مہذب دنیا کو آباد کرنے کا سلیقہ دیا گیا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کو بہیمیت قرار دے کر ایسی واضح اور برحق باتیں کیں کہ ہر چہ باد آباد۔ معاشرہ کو بننے اور بگڑنے کے اصول کی نشاندہی کی گئی ہے، عروج یا زوال کس سے وابستہ ہیں واضح کیا گیا ہے ارشاد فرمایا گیا کہ:

toobaa-elibrary.blogspot.com

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.[1]

(اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راست پر قائم رکھتے ہیں)

اسی کی جانب فرمان رسول بایں طور مشیر ہے کہ:

اِن اللّٰہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع به آخرین.[2]

(بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بعض قوموں کو عروج عطا کرتا ہے، بعض کو اس کے ذریعہ رسوا کرتا ہے۔)

چودہ صدی گذر جانے کے باوجود آج بھی یہ عظیم کتاب اپنی جدت اور تاثیر سمیت پوری آن بان اور اپنے مکمل اعجاز کے ساتھ موجود ہے۔ گردش زمانہ کے باوجود یہ کتاب اپنی حقانیت مزید ثابت کرتی جارہی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خالق ومالک نے خود اپنے ذمہ لی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.[3] (ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں) جیسی پیشین گوئیاں خود اسی کتاب میں موجود ہیں اور یہ انتظام خداوندی بالکل قرین قیاس ہے۔ اس کے اعجاز وصداقت کو ثابت کرنے کے لئے ہر دور میں غیبی اور تقدیری انتظامات ہوتے رہے ہیں۔ ہر طرح سے اس کی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دیا جاتا رہا ہے۔ اس کے متن کی طرح اس کے معانی ومطالب کی خوب حفاظت کی گئی ہے۔

گذشتہ چودہ صدی سے اس کی توضیح وتفسیر کا ایک ناقابل متناہی سلسلہ ہے جس کی بناء پر آج علوم القرآن دنیا کا سب سے زیادہ وسیع اور ضخیم فن بن گیا ہے مگر اس کے باوجود اس کے عجائب وغرائب ختم نہیں ہوتے۔ تفسیر وتوضیح کا یہ سلسلہ عہد رسالت سے چل کر مختلف ادوار کا سفر کرتے ہوئے موجودہ عہد تک پہنچ چکا ہے اور آج بھی زمانے کے تقاضے کے مطابق اس کی تفسیر وتوضیح جاری ہے۔

---

[1] سورہ مائدہ: آیت ۱۶ [2] رواہ مسلم [3] سورہ حجر، آیت: ۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

اردو میں حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جو اردو کی جامع اور مقبول تفسیر ہونے کے ساتھ لائق استفادہ بھی ہے۔ اس میں تفسیر کے تمام پہلوؤں کو اس طور پر سمو دیا گیا ہے کہ گویا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ جس میں قرآنی آیات کی جامع تفسیر اور اس کے تمام مالہٗ وماعلیہ کے احاطے کے ساتھ متعلقہ مسائل فقہ وکلام، تصوف وسلوک، نحو وبلاغت کا بھی اجمالی بیان ہے، ساتھ ہی وہ تفسیری بیان متعلقہ احادیث کے بیان سے بھی نہیں چوکتے ہیں، جس سے ان کے ہمہ جہت وسعتِ مطالعہ کے ساتھ قوتِ استدلال کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ فکر وتدبر کے وقت اصالت ومعاصرت کا حسین امتزاج اور عقل ونقل کا بھرپور توازن محسوس ہوتا ہے۔ جس کی بناء پر آج تفسیر بیان القرآن کا شمار بیسویں صدی کے ابتدائی عہد کی جامع، بلیغ، سادہ، سہل اور مقبول عام تفسیر میں ہوتا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی، مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو کہ تفہیم وتفسیر قرآن کے باب میں گزشتہ ایک عرصہ سے نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے اس ادارہ کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر عبدالرحیم قدوائی صاحب کی جانب سے محترمی جناب ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب کے توسط سے گرامی نامہ موصول ہوا، جس کے ذریعہ حضرت تھانویؒ کی مقبول عام تفسیر بیان القرآن کے جائزہ کا حکم نامہ احقر کے لئے موجب سعادت ہوا۔ وہیں دوسری جانب اپنی علمی کم مائیگی اور حضرت تھانویؒ جیسی عبقری شخصیت اور مجدد ملت کی اس عظیم تفسیر کے علی الرغم یہ فکر بھی دامن گیر ہوئی کہ اس عظیم تفسیر کے جائزے کا طریقہ اور نہج کیا ہو۔ لیکن ادارہ کی جانب سے مکتوب کے ہم رشتہ ہدایت نامہ نے اس جائزہ کے نہج کو متعین کرنے میں سہولت پیدا کردی اور محض بہ توفیق ایزدی اس اہم کام کا آغاز کردیا گیا اور بحمداللہ تعالیٰ جائزہ بیان القرآن کا یہ غیر معمولی اہمیت کا حامل کام بہ یوم عاشورہ ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۹ر جولائی ۲۰۲۳ء پایہ تکمیل کو پہنچا۔ فللّٰہ الحمد والشکر

پروفیسر خلیق احمد نظامی، مرکز علوم القرآن، علی گڑھ کی جانب سے اس اہم کام کے لئے جو ہدایت نامہ موصول ہوا اس میں درج ذیل ہدایات مذکور تھیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱-مترجم/مفسر کا مختصر تعارف جس میں ان کی سوانح، عہد اور اسانید وغیرہ کا مختصر تذکرہ ہو۔
۲-ترجمہ/تفسیر کا تنقیدی جائزہ، جس میں ان کے محاسن کو علمی انداز میں بیان کیا گیا ہو۔
۳-مترجم/مفسر نے اپنے ترجمہ/تفسیر میں جن مصادر سے استفادہ کیا ہے، ان کا ذکر۔
۴-ترجمہ/تفسیر کی خصوصیات وامتیازات
۵-اشاعتی کوائف سن اور ایڈیشن وغیرہ۔
۶-ترجمہ/تفسیر کے اثرات
۷-کتابیات
۸-مترجم/مفسر کے لئے غیر ضروری القاب وآداب سے احتراز، مخالف فکر مترجم/مفسر کے ادب واحترام کا لحاظ۔

ان راہنما خطوط کو سامنے رکھ کر جائزہ کے اس کام کا آغاز کیا گیا۔ ان خطوط کو سامنے رکھ کر کتاب کا جو نقش اور خدوخال تیار ہوا وہ درج ذیل ہے:

اس کتاب میں ابتداءً ترجمہ وتفسیر قرآنی کی مختصراً تاریخ کے بعد مفسر بیان القرآن حضرت تھانویؒ کا مختصر تعارف اس طور پر پیش کیا گیا ہے کہ ان کے اساتذہ، تلامذہ کے تذکرہ کے ساتھ ان کی دینی، علمی، اصلاحی اور تصنیفی خدمات کا بیان آ گیا ہے۔ پھر تفسیر بیان القرآن کے اجمالی تعارف کے ساتھ اصولِ تفسیر کے معیار پر اس کا جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ ہی اس تفسیر کی خصوصیات، منہج اصول وفروع، کلیات وجزئیات کے بیان کے ساتھ تفسیر کا علمی، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ان کے تمام محاسن علمی کے اعتراف کے ساتھ لیا گیا ہے۔ تفسیر کی اشاعتی کوائف، اس تفسیر سے مرتب ہونے والے اثرات کے بیان کے ساتھ اس میں موجود فقہی وکلامی طرزِ استدلال کو بھرپور انداز میں وا کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی تفسیر میں بیان کی گئی احادیث کی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے تفسیر میں بیان کئے گئے فقہی وکلامی مسائل، ساتھ ہی مسائل السلوک، علم القراءت والاعراب اور علم البلاغہ کے بیان شدہ مسائل کی وضاحت کے ساتھ ان کی فنی گفتگو بھی زیر بحث آئی ہیں۔ آخر میں اس تفسیر کے تعلق سے چند اہل علم کی آراء بھی نقل کی گئی ہیں۔

جائزہ بیان القرآن کی تکمیل پر سب سے پہلے میں بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر بجالاتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوں، جس کی محض توفیق وعنایت سے یہ اہم کام انجام پایا، یقیناً یہ کام اس بندۂ ناتوں کی استطاعت سے باہر تھا، بعدۂ میں محترم جناب ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب کا ممنون کرم ہوں جن کے اصرار نے اس کام کی تکمیل کے لئے مہمیز کا کام کیا، اسی طرح میں ان تمام لوگوں کا مشکور ہوں جنہوں نے اس کام کے لئے اپنی نیک خواہشات پیش کیں، حوصلہ دیا اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

جائزہ بیان القرآن یقیناً ایک طالب علمانہ کوشش ہے جس میں اغلاط وتسامحات کا مکمل امکان ہے، ساتھ ہی اس کا بھی بھرپور اعتراف ہے کہ یہ جائزہ کامل ومکمل نہیں ہے۔ بہت سے جوانب اور بہت سے پہلو ایسے ہیں جو اس میں نہیں آسکے۔

قارئین سے بصد ادب گذارش ہے کہ اغلاط وتسامح کو راقم کی جانب منسوب کر کے مطلع فرمایا جائے، نیز ان جوانب سے روشناس کرایا جائے جو اس کتاب کا حصہ بننے سے رہ گئے ہیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی کوشش کی جاسکے۔

میں پروفیسر خلیق احمد نظامی، مرکز علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈائیریکٹر محترم پروفیسر عبدالرحیم قدوائی صاحب، ان کی منتظمہ کمیٹی، ان کے افراد کار کے ساتھ ان کے طباعتی ادارہ کا بھی انتہائی احسان مند ہوں۔ یقیناً ان حضرات کی حوصلہ افزائی، ان کی کدوکاوش اور دلچسپی سے یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔

حق تعالیٰ تمام محسنین ومساعدین کو اجر جزیل عطا فرمائے، ان تحریرات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین

محمد اظہار الحق قاسمی

خادم التدریس دارالعلوم وقف دیوبند

۱۰ر محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۹ر جولائی ۲۰۲۳ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابتدائیہ

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی آخری کتاب اور اس کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ایسی کتاب ہے جو پہلی تمام کتابوں کی تعلیمات اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت سے پُر ایک ایسی اور جامع اور کامل کتاب ہے جو علوم و معانی کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا گنجینہ، نیکی و بھلائی کا خزینہ، علم و دانائی کا ذخیرہ، حکمت و دانش اور بصائر و عبر کا دفینہ ہے۔ ایک طرف جہاں یہ اپنی دلکش فصاحت، حیرت انگیز بلاغت، قوتِ استدلال، حسن بیان اور ندرتِ اسلوب کے لحاظ سے یقیناً ایک بے مثال کتاب ہے وہیں اپنی پیشین گوئیوں اور غیبی اخبارات کے بیان، مثالی ہدایت و رہنمائی، ایجاز و اختصار، جامعیت و کاملیت، ہر دور کی ذہنیت و عقلیت، غلط اور بے بنیاد افکار و نظریات کے خلاف حجت و برہان ہے۔ اس کے موضوعات میں وسعت بھی ہے اور تنوع بھی، لیکن اس کے باوجود اس میں کسی طرح کا کوئی تضاد نہیں۔ حسن ترتیب و تنسیق اور مضبوط بندش و تراکیب میں کوئی تفاوت نہیں۔ ہر لفظ اپنی جگہ نہایت ہی مناسب اور وسعت معانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس کتاب میں ایسی تاثیر و کشش ہے جو قلوب کو اپنی جانب مائل کر لیتی ہے۔ اس کی حلاوت سے درُشت و تُند مزاج شخص میں بھی محبت و مروت کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں وہ کیف ہے جس سے زنگ آلود دلوں کو بھی جلا ملتی ہے۔ اس کی زبان شائستہ، شیریں اور نہایت پُر اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ نبویؐ سے لے کر آج تک اس کی حیرت انگیز نغمگی اور شیرینی سے لوگ متاثر اور ہدایت یاب ہوتے رہے ہیں، اسی لئے فرمایا گیا کہ: اِنَّ هٰذَ الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا۔[1]

---

[1] سورۃ الاسراء: ۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

(بلا شبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے (یعنی اسلام) اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دیتا ہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا)

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب راہِ راست سے بھٹکے ہوئے مسافر کو صراطِ مستقیم پر لانے والی، زنگ آلود دلوں کو تابناک بنانے والی، دلوں کی کایا پلٹنے والی، گھٹاٹوپ ظلمات کو ضیاء گستر کرنے والی ہے۔ یہ ہر اعتبار سے محکم و مفصل، کامل و مکمل اور ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے۔

قرآن کریم کے بعد اب نہ کوئی کتاب آنے والی تھی، نہ کوئی نبی، اس لئے اللہ نے اس کو ہر طرح سے مکمل اور ہمیشہ باقی رہنے والی کتاب کی شکل دی۔ یہ ایک مکمل دستور العمل ہے، اس سے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور علم و فکر اور تہذیب و ترقی کی ہر منزل تک اس کی رہنمائی میں پہنچا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس میں بتائی گئی باتوں کے لئے تفکر، تعقل اور تدبر کا حکم دیتا ہے۔

قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ حضور ﷺ کی بعثت جس قوم میں ہوئی ان کی مادری اور قومی زبان عربی تھی اور اس وقت کی فصیح ترین اور مافی الضمیر کو مکمل طور پر واضح کر دینے والی زبان بھی عربی ہی تھی، نیز یہ بھی پیش نظر تھا کہ اس کے اولین مخاطب عرب کو اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے میں کسی بھی طرح کی مزاحمت نہ ہو، کوئی دقت اور پریشانی سد راہ نہ بنے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف عربی زبان کو مٹنے سے بچالیا بلکہ ایسی دل نشیں زبان کو جنم دیا جو عربوں کی متحدہ اور متفقہ زبان بن گئی اور پھر اس کا دامن اتنا وسیع ہوا کہ یہ زبان علم و فن کے لئے بحر بیکراں بن گئی۔ قرآن کریم کی کثرتِ تلاوت سے انسان کے اندر قوتِ گویائی کا ملکہ اور لسانیت و طلاقت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ استنباط مسائل میں عبور حاصل ہوتا ہے۔ تدبر و تفکر کا حسین جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ انسان کی معلومات اور اس کی حکمت و دانائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی دیگر خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ بلند ترین مضامین کو بھی نہایت حسین

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیرایۂ بیان و اسلوب میں ادا کرتا ہے اور عین فطرت کی عکاسی کرتا ہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ.[1]

(یہ قرآن) ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں، پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں)

دنیا کی ہر زبان میں اس کے ترجمے ہوئے

انسانی صلاحیت، مہارت، ذوق، رسائی اور معلومات سب اپنی جگہ مگر قادر مطلق کے کلام کا مقابلہ اور اس کا تصور ہی بے معنی اور لا حاصل ہے۔ اس عظیم کتاب کے ترجمے اور تفاسیر دنیا کی ہر زبان میں ہوئی، کبھی امت نے قرآن کریم سے غفلت نہیں برتی۔ علوم قرآنی کھلتے رہے اور اسرار قرآنی سے پردہ اٹھتا رہا۔ یہ بات تو واضح اور ظاہر ہے کہ یہ کتاب پوری انسانیت کے لئے نظامِ ہدایت ہے، اس کتاب سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اصولوں اور ان قواعد کی پابندی کی جائے جو حضور ﷺ کے زمانے سے تفسیر و تشریح قرآن کے لئے برتے جارہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے اجتماعی طرزِ عمل اور امت مسلمہ کے اجتماعی رویہ، تعامل اور مہم قرآن کی رو سے تفسیر قرآن کے لئے ایسے مفصل اصول اور قواعد طے پائے ہیں جن کی پیروی روزِ اول سے آج تک جاری ہے۔ ان اصولوں کا واحد مقصد یہ رہا کہ جس طرح کتاب الٰہی کا متن محفوظ ہے، اس کی زبان محفوظ ہے، اسی طرح اس کے معانی اور مطالب بھی ہر قسم کی تحریف اور اشتباہ سے محفوظ رہیں۔ بنابریں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علوم اسلامی میں فنی اعتبار سے فن تفسیر ہی سب سے پہلے وجود میں آیا۔ قرآن کریم کے سب سے پہلے مفسر خود اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور پہلا تفسیری سرمایہ خود قرآن کریم ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ.[2] (پھر اس کی وضاحت بھی ہماری ذمہ داری ہے)

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ.[3]

---

[1] سورہ ہود، آیت:۱ [2] سورہ قیامہ، آیت:۱۹ [3] سورہ اعراف، آیت:۵۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

(ہم ان کے پاس ایسی کتاب لے آئے ہیں جس میں ہم نے اپنے علم کی بنیاد پر ہر ہر چیز کی تفصیل کی ہے)

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلاً.[1]

(اور وہی اللہ ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری تفصیل شدہ)

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ.[2]

(ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لئے کی ہے جو علم رکھتے ہیں)

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لَقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ.[3]

(ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لئے کی ہے جو فہم رکھتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کے بعد قرآن کریم کے دوسرے مفسر و ترجمان رسول اکرم ﷺ ہیں، جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ.[4]

اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں کے لئے واضح کر دیں۔

اسی طرح احادیثِ رسول بڑا تفسیری خزانہ ہے۔ ابن جرجانی کا قول ہے کہ جس قدر صحیح حدیثیں ہیں ان کی اصلیت قرآن میں یا قریب قریب موجود ہے۔[5]

اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ عام طور پر جب کوئی حدیث نقل کرتے تھے تو اس کی تصدیق کے لئے اس کے ساتھ قرآنی آیت بھی پڑھتے تھے۔

''حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے دیئے جاتے ہیں، مسکین وہ ہے جو سوال نہ کرے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھو: لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا. ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا،

---

[1] سورہ انعام، آیت: ۱۱۴ [2] سورہ انعام، آیت: ۹۷ [3] سورہ انعام، آیت: ۹۸
[4] سورہ نحل، آیت: ۴۴ [5] عبدالصمد صارم الازہری، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲، ص: ۱۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہ کسی قلب میں اس کا خیال گزرا، اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔"[1]

حضرت محمد ﷺ کو اسلام کی تبلیغ اور خدا کے احکامات کی اشاعت کے لئے بھیجا گیا تھا اور ان کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ اللہ کے اس کلام کو نہ صرف دوسروں تک پہنچائیں بلکہ اچھی طرح سمجھائیں۔ آپ نے اپنے قول و فعل سے احکام خداوندی کو وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سنت نبوی قرآن مجید کی سب سے اہم اور معتبر تفسیر مانی جاتی ہے۔ قرآن مجید ۲۳ رسال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ جو لوگ اس کے مفاہیم آسانی سے نہ سمجھ پاتے تھے حضرت محمد ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے یا ان اصحابِ رسول سے معلوم کرتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم قرآنی سے نوازا تھا اور جو رسول اللہ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان حالات اور اسباب سے پوری طرح واقف تھے جن میں آیاتِ قرآنی نازل ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کی ذمہ داری یہ قرار پائی کہ قرآن مجید اور اس کے مطالب سے متعلق معلومات وہ ان لوگوں تک پہنچائیں جو ان سے واقف نہیں ہیں۔ اسی کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے کا حق صرف انہیں لوگوں کو دیا گیا جو لغاتِ عرب سے پوری طرح واقف ہوں، عربی زبان و ادب کے اسالیب پر ان کی نظر ہو، اسلام کی ابتدائی تاریخ و تہذیب اور سیرت رسول کے تمام پہلو اُن کے سامنے ہوں، قرآن فہمی کا ذوق ہو اور متقی و پرہیز گار ہوں۔ ان اصول و ضوابط کا مقصد یہ تھا کہ مفسرین، احتیاط اور ایمانداری کا دامن تھامے رہیں اور اپنی رائے بغیر کسی بنیاد کے شامل نہ کریں۔

ترجمہ کا مفہوم

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مطلب ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے اپنی کتاب میں اس طرح نقل کیا ہے:

"نقل الكلام من لغةٍ الى لغةٍ اخرىٰ بدون بيان المعنى لاهل المترجم و ذٰلك كوضع رديف مكان رديف من لغة واحدة۔"[2]

---

[1] بدالصمد صارم الازہری، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۰ [2] التفسر والمفسر ون، ص: ۲۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

(کسی کلام کو ایک دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں، بجز اس کے کہ جس کلام کا ترجمہ کیا گیا ہو، اس کے معانی کی وضاحت کی جائے جیسے ایک ہی زبان کے ردیف کو بدل کر اس کی جگہ اسی زبان کا دوسرا ردیف استعمال کیا جائے)

صاحب ''تاج العروس'' مرتضیٰ زبید بلگرامی نے ترجمہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''والترجمان المفسر للسان وقد ترجمه و ترجم عنه اذا فسر كلامه بلسان اخرىٰ قال الجوهری و قيل نقله من لغةٍ الىٰ لغةً اخرىٰ''[1]

(کسی زبان کی تشریح وتوضیح کرنے والے کو ترجمان کہتے ہیں، جب کہ اس زبان کے کلام کو دوسری زبان میں تبدیل کرنے کا نام ترجمہ ہے۔ امام جوہری کا قول ہے کہ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں)

قرآن کریم کے ترجمہ سے استفادہ کا کام عہد نبوی سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

''امام تاج الشریعہ نے اپنی کتاب النہایہ حاشیہ الہدایہ، طبع دہلی ۱۹۱۵، ص: ۸۶، حاشیہ نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسی نے رسول اکرم ﷺ کی اجازت سے سورہ فاتحہ کا فارسی ترجمہ کر کے نو مسلم ایرانیوں کو دیا جو نماز میں اس کو اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک کہ عربی عبارتیں (سورتیں، تشہد وغیرہ) انہیں یاد نہ ہو گئیں۔ اس قصے میں فارسی ترجمہ کے چند الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ عربی الفاظ کو قدیم فارسی خط میں لکھنا مراد نہیں ہے، اس کے بعد قدیم ترین ترجمہ غالباً سندھی میں تھا جو ۲۷۰ھ کے لگ بھگ تیار ہوا اور جس کا ذکر بزرگ بن شہر یار الرامہرمزی نے اپنی کتاب ''عجائب الہند، ص: ۲، ۳) میں کیا ہے۔''[2]

---

[1] تاج العروس، ج ۸، ص: ۲۱۱ [2] قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں، ص: ۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعد کے زمانوں میں علمی ضرورتوں کے مطابق کلّی یا جزئی طور پر ترجمۂ قرآن کی کوششیں جاری رہیں اور تا حال ختم نہیں ہوئیں، مترجمین میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی ہیں اور ایک ہی زبان میں متعدد ترجمے بھی ملتے ہیں کیوں کہ نئے زمانے کے عالم اپنی زبان میں کوئی پرانا ترجمہ پاتے اور اس میں خامیاں دیکھتے ہیں تو نئے ترجمہ کا کام اپنے سر لیتے ہیں۔

قرآن کریم کا ترجمہ کے باضابطہ آغاز کب ہوا اس سلسلے میں جو کچھ ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے اس کا لب لباب یہ ہے:

> ''پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف میں اور حجاج بن یوسف کے دور حکومت میں غیر مسلموں کے کئے ہوئے قرآن کریم کے سریانی تراجم ملتے ہیں، اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ ۱۲۷ھ میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی تھا، جسے حضرت موسیٰ بن سیار الاسوری نے ۲۵۵ھ میں کیا تھا اور ۲۷۰ھ میں ہندوستانی زبان میں بھی مکمل ترجمہ موجود تھا۔ ٹی وی آرنلڈ کے کہنے کے مطابق چینی زبان میں بھی قرآن کا ترجمہ موجود تھا۔ ایک چینی واقع نگار کے مطابق ۷۱۳-۷۴۲ء میں جو مسلمان مغرب کی طرف سے چین آتے تھے وہ اپنے ساتھ اپنی مقدس کتاب (قرآن) بھی لاتے تھے اور اس کو شاہی محل کے اس کشادہ کمرے میں جمع کر دیتے تھے جو مقدس اور مذہبی کتابوں کے تراجم کے لئے مخصوص تھا اور آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض انجام دیتے تھے۔[1]

تفسیر کی لغوی تعریف

لفظ تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے، جس کا مادہ ف، س، ر، ہے۔ اس میں کھولنے اور بیان کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کتب لغت میں جس کے درج ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب ''لسان العرب'' فرماتے ہیں:

> ''فسّر کے معنی ہے اظہار و بیان۔ مزید لکھتے ہیں کہ ''فسر'' بے حجاب کرنے کو کہتے ہیں۔ چوں کہ تفسیر کرتے وقت بھی مشکل الفاظ کے معنی و مفہوم کو بے

[1] قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں، ص: ۷۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

حجاب کر دیا جاتا ہے، لہٰذا اسے تفسیر کا نام دیا جاتا ہے۔''[1]

مشہور مفسر اور ماہر نحو ابوالحیان لکھتے ہیں:

''سواری کا پالان اتار کر اس کی پیٹھ ننگی کرنے کو بھی تفسیر کہتے ہیں'' اور یہی قول ثعلب نحوی کا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ننگے کرنے میں کشف و اظہار کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لئے زین اتارنے سے پیٹھ کھل کر سامنے آجاتی ہے، تفسیر میں کشف و اظہار پایا جاتا ہے، بایں طور اس کے ذریعہ الفاظ و آیات قرآن کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے، اس لئے اسے بھی تفسیر کہتے ہیں۔''[2]

اہل لغت کے یہاں یہ کلیہ ہے کہ ''**کل شیء یعرف به تفسیر الشیء و معناه فهو تفسیره**'' ہر وہ چیز جس سے دوسری چیزوں کا مفہوم واضح ہو سکے وہ اس کے لئے مفسر کہلاتی ہے۔ قرآن مجید میں لفظ تفسیر کا اطلاق مضامین قرآن پر بھی آیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: **وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا**۔[3]

اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں ہم ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہوا جواب آپ کو عنایت کرتے ہیں) قرآنی مضامین پر تفسیر کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں حق کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رکھا گیا۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں تفسیر کے معنی ہیں (مقررہ قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے) قرآن مجید کی تشریح و توضیح اور تفصیل کرنا، اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطلب کو ظاہر کرنا۔ حضرات مفسرین نے اپنے ذوق کے مطابق مختلف روایتیں کی ہیں، چنانچہ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ

''**هو علم باحث عن معنى نظم القرآن بحسب الطاقة البشرية**''.[4]

---

[1] ابن منظور افریقی، لسان العرب، جلد ص ۳۶۱، ایران ۱۴۰۵ھ

[2] البحر المحیط، ابوالحیان اندلسی، جلد ۱، ص: ۱۲، بیروت ۱۴۱۲ھ

[3] سورہ فرقان، آیت: ۳۳ [4] کشف الظنون، ج ۱، ص: ۴۲۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے حضرات علماء کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ: تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری استطاعت کی حد تک نبی اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کے معانی و مفہوم کو واضح کیا جاتا ہے تاکہ منشائے خداوندی کو پایا جاسکے، اس مقصد کے لئے قرآنی آیات کی شانِ نزول، مکی و مدنی، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مطلق و مقید، حلال و حرام اور عبرت و امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ تفسیر کا مترادف لفظ تاویل استعمال ہوتا ہے۔ ابتداء میں لفظ تفسیر ہر کتاب کی تفہیم و تشریح کے لئے استعمال ہوتا تھا، لیکن اب صرف قرآنی مفاہیم کی توضیح کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

علمائے کرام نے تفسیر کی اور بھی کئی تعریفیں بیان کی ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف الاتقان میں امام محمد بن عبداللہ زرکشی کے حوالے سے تفسیر کی تعریف اس طرح لکھی ہے:

بانه علم يفهم به كتاب الله المنزل على نبيه محمد و بيان معانيه و استخراج احكامه و حكمه۔[1]

(تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کی مدد سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل شدہ قرآن کا مفہوم و معانی سمجھا جاتا ہے اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جاتا ہے۔)

علامہ ابوحیان اندلسی تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"هو علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن و مدلولاتها و احكامها. الافرادية والتركيبة و معانيها التى تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذلك."[2]

(علم تفسیر وہ علم ہے جس میں درج ذیل امور سے بحث کی جاتی ہے۔ الفاظ قرآن کو ادا کرنے کا طریقہ، الفاظ کے مدلولات کا علم، الفاظ کے مفرد اور مرکب ہونے کی حالت میں مختلف احکام کی معرفت، ان معانی کی پہچان جو ترکیب کی حالت میں الفاظ سے مراد ہوتے ہیں۔ دوسرے متممات و متعلقات مثلاً نسخ کی پہچان اور اسباب نزول وغیرہ کا علم)

---

[1] الاتقان، جلد ۲، ص: ۱۷۴، مصطفیٰ الحلبی، ۱۹۳۵ء

[2] مقدمہ تفسیر بحر المحیط، ص: ۱۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ زرقانی نے علم تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و سمی علم التفسیر لما فیه من الکشف والتبیین واختص بهذا الاسم دون بقیة العلوم مع انها کلها مشتملة علی الکشف والتبیین لانه لجلالة قدره و احتیاجه الیٰ زیادة الاستعداد و قصده الیٰ تبیین مراد الله من کلامه کانه هو التفسیر وحده دون ما عدا"[1]

(اور اسے علم تفسیر کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں کشف واظہار کے معانی آتے ہیں، اس لئے یہ علم اس نام سے موسوم ہوا اگر چہ دوسرے علوم میں بھی کشف و بیان پایا جاتا ہے مگر یہ نام اس علم کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ علم جلیل القدر اور زیادہ استعداد کا سرتاج ہے اس میں بیان کیا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے اس کی کیا مراد ہے؟ اس لئے یہ نام صرف اسی علم کو دیا گیا ہے گویا کشف واظہار کا حامل صرف یہی علم ہے یعنی علم تفسیر اور کوئی نہیں)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن مجید کے فقرے "احسن تفسیراً" کا مطلب تفصیلاً روایت کیا گیا ہے۔ ابن فارس نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ تفسیر میں ایک معنی پر یقین کر لینا ہوتا ہے کہ خدا کی یہی مراد ہے اگر اس کے پاس کوئی شہادت عمدہ ہے تو خیر! ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہے جو ممنوع ہے۔

حدیث شریف میں: "من قال فی القرآن بغیر علم و فی روایة برائه فلیتبؤ مقعدهٗ من النار"

(جس نے قرآن میں بغیر علم یا اپنی رائے سے کچھ کہا تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے)

قرآن کا فہم وادراک مسلمانوں کے لئے لازم ہے کیوں کہ یہ ہدایت کی کتاب ہے اور انسان کی زندگی کے ہر پہلو سے بحث کرتی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے صرف قرآن مجید کے الفاظ دہرانے یعنی تلاوت اور اس کی نغمگی کے لحن میں مجلسوں، اموات کے مواقع

[1] مناہل العرفان، جلد ا، ص:

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور مقابر میں پڑھنے پر اکتفا کرلیا ہے۔ مسلمان اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی برکات اس میں تفکر و تدبر اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے میں ہے جو تفسیر سے ہی ممکن ہے۔

تفسیر قرآن عہد رسالت میں

عہد رسالت میں آپ کی بتائی گئی قرآنی تفسیر زیادہ تر حفظ اور کچھ تحریر کر لی گئی مگر تفسیر کے نام سے باقاعدہ کوئی کتاب مرتب نہیں کی گئی تھی۔[1]

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کی آخری فصل میں ان تمام تفسیری روایات کو جو صحابہ کے توسط سے رسول سے منقول ہیں اکٹھا کرلیا ہے۔ یہ تمام روایات ان کی کتاب کے بیس صفحات سے بھی کم پر مشتمل ہیں، نیز جرح وتنقید کے بعد ان میں اور بھی کمی ہو جاتی ہے۔[2]

الغرض میدانِ تفسیر میں بھی علمائے حدیث و روایت نمایاں نظر آتے ہیں اور ان کی کتابوں میں تفسیر بالروایت ملتی ہے جیسے امام بخاری کی صحیح بخاری میں ''کتاب تفسیر القرآن'' اور ''کتاب فضائل القرآن'' کے نام سے دو ابواب موجود ہیں جو غالباً صحیح بخاری کے آٹھویں حصے کے برابر ہیں۔[3]

صحابہ کرامؓ قرآن مجید میں غور کرتے اور اگر مشکل پیش آتی تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے، البتہ سوال کرنے سے بہت زیادہ احتراز کرتے کیوں کہ کثرت سوال کی آفتوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ لہٰذا جو معلوم ہوتا اسی پر عمل کرتے ہوئے اکتفا کرتے اور خود تفسیر قرآن کے سلسلے میں وہی بات کہتے جو حضور سے بلاواسطہ یا بالواسطہ معلوم ہوتی۔ تفسیر کے سلسلے میں صحابہ کے رویہ کی بہت خوبصورت ترجمانی حضرت ابوبکرؓ کا یہ واقعہ کرتا ہے۔

---

[1] حضور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ایک تفسیر منسوب ہے جس کا نام تفسیر النبی ہے، یہ شیخ ابوالحسن محمد بن قاسم الفقیہ کی روایت سے ہے۔ (بحوالہ عبدالصمد صارم الازہری، تاریخ تفسیر مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۰

[2] مولانا اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۶

[3] دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۲ء، ج ۶، ص: ۴۹۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

''حضرت صدیق اکبرؓ سے کسی نے ''ابا'' کے معنی پوچھے (جس کے معنی چارہ کے ہیں) مگر چوں کہ قریش کی لغت میں یہ لفظ متعارف نہ تھا، آپ نے فرمایا کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا۔ اگر میں قرآن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے۔''[1]

تفسیر قرآن عہد صحابہؓ میں

عہد صحابہؓ میں مفسر کے لئے عربی زبان، رد کئے گئے رسوم و عادات، قرآن سے متعلق عہد نبوی کے واقعات، رسول اللہ کے اقوال، اعمال اور قضایا وغیرہ میں کمال رکھنا ضروری تھا۔ تمام صحابہ فہم قرآن میں برابر نہ تھے بلکہ بعض کو بعض پر تفوق حاصل تھا۔ صحابہ میں سے دس حضرات (خلفائے اربعہ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ) کو تفسیر بیان کرنے میں مہارت حاصل تھی۔ سب سے زیادہ تفسیری اقوال رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (جن کا لقب ترجمان القرآن ہے) سے مروی ہیں۔[2]

(۱) اس دور میں قرآن مجید کی پوری تفسیر بیان نہیں کی گی۔

(۲) قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر بیان کی گئی جن کے سمجھنے میں کچھ دشواری پیش آتی تھی یا ان میں اجمال پایا جاتا تھا۔

(۳) صحابۂ کرامؓ میں قرآن مجید کے معنی و مطالب کے سمجھنے میں بہت کم اختلاف پایا جاتا تھا۔

(۴) صحابۂ کرامؓ قرآن مجید کے اجمالی معنی پر اکتفاء کرتے تھے اور تفصیلات میں جانا ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔

(۵) صحابۂ کرامؓ کم سے کم الفاظ میں لغوی معنی کی تشریح کو نا کافی سمجھتے تھے۔

---

[1] مقالہ جمال الدین اعظمی (عربی و فارسی تفسیر نویسی میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ، مرتبہ عماد الحسن آزاد فاروقی، ہندوستان میں اسلامی علوم و ادبیات، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص: ۴۲

[2] پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، تاج کمپنی، دہلی، ص: ۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۶) عہد صحابہ میں تفسیر کی کوئی جداگانہ منظم صورت نہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ سے منقول آیات کی تشریح وتوضیح احادیث نبوی کے زمرہ میں ہی شامل ہیں۔[۱]

حیات صحابہؓ میں ہی ان کے شاگردوں کے ذریعہ ان کے تفسیری بیانات بھی ضبط تحریر میں آگئے تھے۔ چنانچہ تفسیر کے لئے پہلے قرآن پھر حدیث وسنت اور پھر آثار واقوال صحابہ سے مدد لی جاتی تھی۔ عصر تابعین میں امام ابن تیمیہؒ کے قول کے مطابق ''تفسیر کا علم زیادہ تر علمائے مکہ میں تھا جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد تھے مثلاً عکرمہؒ، مجاہدؒ اور عطاءؒ، پھر اہل کوفہ میں جو حضرات ابن مسعودؓ کے اصحاب تھے جیسے حسن بصریؒ اور مسروق وغیرہ۔ ان کے علاوہ سعید بن جبیرؒ، ابوالعالیہؒ، ضحاک اور قتادہؒ کو علم تفسیر میں ملکہ حاصل تھا۔[۲]

تفسیر قرآن عہد تابعین میں

تبع تابعین کا دور جو تقریباً دوسری صدی ہجری کے خاتمہ تک جاری رہا۔ اس دور میں تفسیر کی کتابیں مدوّن کی گئیں اور علم تفسیر ایک علیحدہ فن کی شکل میں سامنے آیا مگر اس ضمن میں اختلاف ہے کہ کون سی تفسیر کو مقام اولیت حاصل ہے جیسے تفسیر ابن جریج، تفسیر سفیان بن عیینہ، تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ، تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ مگر یہ سب مٹ چکی ہیں۔[۳] میزان الاعتدال میں ذہبی کے مطابق سب سے پہلے عہد تابعین میں علم تفسیر ایک الگ فن کی شکل میں سعید بن جبیر (م۹۵ھ) کے ذریعے سامنے آیا جب عبدالملک بن مروان (م۸۶ء) نے ان سے تفسیر لکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے تفسیر لکھ کر دربار خلافت میں بھیج دی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ حقیقت میں یہی تفسیر ہے۔[۴]

دور تابعین پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ہمیں تفسیری ارتقاء میں کچھ مخصوص رجحانات و میلانات نظر آتے ہیں مثلاً اس دور میں صحابہ کے مقابلے اختلافات کی خلیج گہری ہوگئی اور

---

۱ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۲/۱۳

۲ مولانا اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹید، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۱

۳ ایضاً، ص: ۲۳

۴ پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، تاج کمپنی، دہلی، ص: ۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذہبی اختلافات کی بنیاد پڑی جیسے عقیدہ تقدیر کے حامیوں و منکروں نے اپنے اپنے نظریات کی اپنی تفسیروں میں نمائندگی شروع کر دی وغیرہ۔

دورِ تابعین میں وہی منقولی طریقہ رائج رہا مگر اس میں یہ تبدیلی واقع ہوئی کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے شہر کے امام و عالم کے اقوال سے ہی اپنی تفسیر میں استفادہ کرتے جیسے اہل مکہ حضرت ابن عباسؓ سے، اہل مدینہ حضرت ابی بن کعبؓ اور عراقی حضرات ابن مسعودؓ سے۔

علم تفسیر میں اسرائیلی روایات

اس کے علاوہ اس عہد کی سب سے اہم چیز یہ بھی رہی کہ تفسیر میں بغیر نقد و تبصرہ کے اسرائیلیات کی ملاوٹ شروع ہوگئی جو ان اہل کتاب سے اخذ کی جاتی تھیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ دراصل اسرائیلیات کی طرف عربوں کا میلان عہد رسالت ہی سے شروع ہو گیا تھا، جب پہلے یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلامؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، نیز حضور کا ارشاد گرامی بھی تھا کہ ''اہل کتاب کے اقوال کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب'' درحقیقت اسرائیلیات کو مرغوب سمجھ کر قبول کرنے میں عربوں کے مزاج کا کافی بڑا دخل تھا جسے علامہ ابن خلدون نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ''بالعموم عرب نہ پہلے سے اہل کتاب تھے نہ علم رکھتے تھے۔ ان کے اوپر بدویت غالب تھی۔ جب ان کو موجودات کے اسباب، ابتدائے تخلیق اور امم سابقہ کے حالات وغیرہ کے جاننے کا شوق ہوتا تو ان اہل کتاب سے جو مسلمان ہو گئے تھے دریافت کرتے یہ بھی زیادہ تر انہیں کی طرح بدوی تھے اور ان امور کو اسی قدر جانتے تھے جس قدر عوام اہل کتاب۔ انہیں کے بیانات لوگوں سے منقول ہو کر آیات کی تفسیروں میں شامل ہو گئے اور بوجہ اس کے کہ ان کا تعلق احکام شرعیہ سے نہ تھا، تدوین کے وقت مفسروں نے مسامحت سے کام لے کر ان کی تنقید کی طرف توجہ نہیں کی اور انہیں کو کتب تفاسیر میں درج کر دیا۔''[1]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۶۷، بحوالہ اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، ص: ۱۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تفسیر

تیسری صدی ہجری میں تدوین کتب کا عام رواج ہو گیا۔ اسی دور میں صحاح ستہ لکھی گئیں جس میں ایک باب ''کتاب التفسیر'' ہوتا تھا، جو تفسیری روایات پر مشتمل ہوتا تھا، البتہ اس مقام پر پہنچ کر علم تفسیر، احادیث سے علیحدہ ایک فن کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا اور قرآنی ترتیب کے مطابق ایک ایک آیت اور سورت کی تفسیر لکھی جانے لگی۔ اگرچہ صحاح میں آج بھی کتاب التفسیر موجود ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری میں مکمل قرآن کی تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ تفسیر ابن جریر طبری (م۳۱۰ھ)، تفسیر ابن ابی حاتم (م۳۲۷)، تفسیر امام حاکم (م۳۹۵ھ)، تفسیر ابن منذر (م۳۱۸ھ)، تفسیر ابن حیان (م۳۶۹ھ)، اس دور کی اہم تفاسیر ہیں، جن میں سے ابن جریر طبری کی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' کو آج تک مقام اولیت حاصل رہا ہے۔ قرآن کی تشریح کے سلسلے میں انہوں نے اس وقت دستیاب تمام روایات کو جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح و تعدیل کا کام دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اگرچہ بعض اقوال کو کہیں کہیں راجح اور بعض کو مرجوح بھی قرار دیتے ہیں۔ اس دور کی تفاسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفسیر بالماثور کی حدود میں رہتے ہوئے قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ و تابعین ہی کی روشنی میں لکھی گئیں مگر ان میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ پہلے کی طرح اسناد کی شرط باقی نہ رہی۔ نتیجۃً بلاسند تفسیری اقوال نقل کرنے سے بہت ہی من گھڑت باتیں تفسیر میں شامل ہو گئیں اور ان میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔

خلافت عباسیہ سے لے کر آج تک تفسیر کا جو دور رائج ہے اس میں روایت کے ساتھ درایت کا بھی استعمال ہونے لگا اور نقل و عقل میں رفتہ رفتہ آمیزش کی ابتداء ہوئی، لہٰذا منقولی کے علاوہ تفاسیر بھی وجود میں آئیں۔

اس دور کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے پس منظر کو دھیان میں رکھا جائے۔ جب فلسفے کو فروغ ملا خصوصاً منطق و فلسفے کی کتابوں کا حکومت کی سرپرستی میں یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ جن کے اثرات سے مختلف عقائد و نظریات ابھرے اور نئے نئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرقے وجود میں آئے۔ علم الکلام، نیز مختلف مکاتب فکر حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور جعفری وغیرہ کا ظہور ہوا اور یہ کہ صرف ونحو اور عربیت سے متعلق علوم کی تدوین کی گئی۔ قرآن کے مختلف پہلوؤں جیسے ادبی، فقہی، لغوی، نحوی، تاریخی اور کلامی وغیرہ پر الگ الگ تصانیف قلم بند ہوئیں۔

ایسے ماحول کے زیر اثر کاملیت کو فروغ حاصل ہوا اور جو شخص جس فن میں ماہر ہوتا وہ قرآن کو اپنے فن کے قالب میں ڈھالنے کی پوری کوشش کرتا۔ مثلاً نحوی علماء کی تفاسیر ''تفسیر زجاج البسیط از واحدی،'' ''البحر المحیط از ابوحیان'' نحوی مسائل سے پُر ہیں۔ امام رازی کی تفسیر ''مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر'' حکماء وفلاسفہ کے اقوال سے لبریز ہے۔ فقہاء کی تفاسیر ''جصاص''، ''قرطبی'' فقہی فروعات کے ذکر سے مالا مال ہیں۔ صوفیاء ابن عربی، ابوعبدالرحمٰن السلمی کی تفاسیر میں آیات الٰہی سے صوفیانہ اشارات نکالے گئے ہیں۔[1]

مختصر یہ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر زمانہ کی تفسیر اپنے وقت کی تحریکوں سے متاثر اور مخصوص نظریات کا آئینہ معلوم ہوتی ہے اگر چہ اس کا فائدہ یہ پہنچا کہ علم تفسیر میں وسعت پیدا ہوئی مگر من مانی تاویلات کا بھی دروازہ کھل گیا اور قرآن کریم میں معنوی تحریف کی جانے لگی، جس کی علامہ فناری نے یہ تصریح کی ہے کہ ''علم تفسیر میں بجز چند امور کے اصول مطلقاً نہیں ہیں جن پر اس کی جزئیات کا مدار ہو۔[2]

عربی تفاسیر اور ہندوستان

جب اسلام عرب کی حدود سے باہر پہنچا اور مسلمانوں نے نئے علاقوں کو زیر نگیں کیا تو نئے لوگوں سے میل جول نے ذہنی اور سماجی انقلاب بھی پیدا کیا، مختلف رنگ ونسل، مذہبوں اور الگ الگ تہذیبوں کے لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو نئے نئے مسائل سامنے آنے لگے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کو قرآن مجید کی روشنی میں حل کیا جائے۔ مختلف علوم وفنون کا رواج ہوا، حدیث، فقہ، تصوف، کلام اور ادب وغیرہ مستقل علوم بن گئے

---

[1] پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، تاج کمپنی دہلی، ص: ۵/۷

[2] مراۃ التفسیر، ص: ۷ (اسلم جیراج پوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، ۱۹۸۹، ص: ۲۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو مختلف علوم وفنون کے ماہروں نے اپنے مسلک اور ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیریں لکھیں۔ قرآن مجید کے الفاظ پر گہری نظر ڈالی گئی اور سیدھی سادھی روایات کے ساتھ عقل واستدلال سے بھی کام لیا گیا۔ علمائے ادب نے قرآنی الفاظ کی وسعت وگہرائی کو پیش رکھ کر تفسیریں لکھیں۔ صوفیائے کرام نے آیات قرآنی سے سلوک ومعرفت کے امور حل کیے، ماہرین صرف ونحو نے الفاظ کی نوک پلک سے بحثیں کیں، فقہاء نے استنباط مسائل کے نقطۂ نظر سے قرآنی آیات کی تشریح کی اور بہت سے لوگوں نے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر قرآن ہی کی روشنی میں کی۔ غرض قرآن کریم کو ہر فکر کے لوگوں نے اپنے اپنے انداز پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی، اس سے قرآن کی ہمہ گیری وہمہ جہتی کا ثبوت سامنے آیا۔ یہ سلسلہ جب سے اب تک قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

خلفائے راشدین ہی کے زمانے میں اسلام حدود عرب سے نکل کر دنیا کے مختلف حصوں تک پہنچ چکا تھا، بہت سے ملکوں اور قوموں کے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ بنی امیہ کے دور میں سندھ اسلامی سلطنت کا باقاعدہ حصہ بن گیا، پھر درۂ خیبر کی راہ سے مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے اور یہاں باقاعدہ مسلمان حکومت قائم ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوگئی جن میں باہر سے آنے والوں کے علاوہ یہاں کے باشندوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ ان حالات میں اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ یہاں بھی اسلامی تعلیمات کی اشاعت باقاعدہ کی جائے۔ اس ملک کے مخصوص حالات، یہاں کے باشندوں کے مزاج اور ذہنی استعداد کے پیش نظر نئے طرز فکر سے کام لیا گیا، حدیث وفقہ اور سیر وتاریخ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تفسیریں اور علوم قرآنی سے متعلق کتابیں بھی لکھی گئیں۔ اس سلسلہ میں عربی و فارسی کے علاوہ دوسری ہندوستانی زبانوں کو بھی استعمال کیا گیا۔

ظہور اسلام سے قبل ہندوستان اور عرب کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ عہد رسالت میں ہی مسلمان جنوبی ہندوستان میں پہنچ گئے تھے۔ بنو امیہ کے دور میں سندھ اسلامی حکومت کا باقاعدہ ایک صوبہ بن گیا تھا۔ استحکام حکومت کے بعد نومسلموں کی تعداد یہاں بہت تیزی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے بڑھی، نیز عرب، ایران، ترکستان اور افغانستان سے مسلمان یہاں آ کر آباد ہوئے۔ اس لئے مذہبی ضرورت کے سبب دوسرے علوم کے علاوہ تفسیر پر بھی بکثرت کتب تحریر ہوئیں، چوں کہ عربی مسلمانوں کے درمیان بین الاقوامی رابطہ کی زبان اور پھر فارسی جو کہ مسلمانوں کی سرکاری زبان تھی میں لکھی گئیں۔

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی صاحب نے مختلف تذکروں اور تاریخی کتابوں کی چھان بین کے بعد عربی زبان میں ہندوستان میں لکھی گئی تفسیروں اور علوم قرآن سے متعلق کتابوں کی تعداد ۱۵۶ (ایک سو چھپن) بیان کی ہے۔[1]

ہندوستان میں پہلی عربی تفسیر کس نے لکھی یہ بات کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ دائرہ معارف الاسلامیہ (اردو انسائیکلوپیڈیا) کے مطابق عربی کی سب سے پہلی تفسیر ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' از مولانا نظام الدین حسن بن محمد حسین شافعی ہے۔ اس تفسیر کو دولت آباد (دکن) میں مکمل کیا گیا، اس کی جلد اول وسوم ۷۳۰ھ/۱۳۳۰ء اور جلد دوم ۱۱ر محرم ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء میں لکھی گئی۔[2]

جب کہ بعض حوالوں سے ابوبکر اسحاق بن تاج الدین ابوالحسن (م ۷۳۶ھ) کی تفسیر ''جواہر القرآن'' کی اولیت پتہ چلتی ہے جس کا خلاصہ بھی آپ نے ''جواہر القرآن فی بیان معانی القرآن'' کے نام سے تحریر کیا جو برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔[3]

ان کے علاوہ ابتدائی تفاسیر میں ''کاشف الحقائق وقاموس الدقائق'' از محمد بن احمد گجراتی (۸۲۱ھ)، تفسیر ملتقط از سید محمد گیسو دراز (۸۲۸۰ھ)، ''تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان'' از علی بن احمد مہائمی (۸۳۵ء) وغیرہ ملتی ہیں۔

علماء کا اس بات پر فتویٰ ہے کہ قرآن کا ترجمہ وتفسیر ان لوگوں کے خاطر کرنا جو عربی زبان سے ناواقف ہوں اس آیت ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ'' (سورہ

---

[1] محمد سالم قدوائی، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۸

[2] دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۲ء، جلد ۶، ص: ۵۳۱

[3] جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات) مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، فروری ۱۹۹۲ء، ص: ۱۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابراہیم: ۴) ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، کی رو سے جائز ہے۔[1]

اردو میں تفاسیر قرآن

جب مقامی زبانوں میں تفسیر نگاری کی ابتداء ہوئی تو ہندوستان میں ہندی زبان میں جو بعد میں اردو کہلائی قرآنی ترجمہ وتفسیر کو بہت تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔ گرچہ اردو زبان ہندوستانی زبانوں کے مقابلے میں سب سے کم سن اور دیگر بین الاقوامی زبانوں کے درمیان بھی کم عمر ہے مگر چینی زبان کے بعد دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے۔ اس میں ۵۷ فی صد الفاظ قرآنی اپنے اصلی تلفظ اور معانی مقررہ کے ساتھ جوں کے توں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اردو زبان میں علوم قرآنی سے متعلق کتب کی تعداد غالباً ایک ہزار سے زائد ہے جن میں سے مکمل وجزوی تراجم وتفاسیر ساڑھے چار سو ہیں۔[2]

مسلمان ہند میں اپنے ساتھ عربی وفارسی زبان لائے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے ہندوستانی مقامی بولیاں استعمال کیں۔ مشہور سیاح بزرگ بن شہر یار نے اپنے سفر نامہ ''عجائب الہند'' میں لکھا ہے کہ کشمیر کے راجہ مہروک بن رائق تاجدار ''الرا'' کی فرمائش پر ۲۷۰ھ/۸۳۸ء میں منصورہ کے امیر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیزن نے کسی عراقی الاصل سندھی عالم جس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی تھی اور جو یہاں کی مختلف زبانیں جانتا تھا، سے ہندی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھوائی جو سورہ یٰسین تک ہی لکھی گئی تھی۔[3]

چودھویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں اردو نثر کا آغاز دینی کتابوں سے ہوا۔ خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۱۴۰۵ء) کا رسالہ ''اخلاق وتصوف'' ۱۳۰۸ء کی پہلی باقاعدہ تصنیف کہلاتی ہے۔ گرچہ اردو زبان میں تراجم وتفاسیر قرآن کی ابتداء سولھویں صدی عیسوی کی آخری دہائی (دسویں صدی ہجری) سے شروع ہوتی ہے جو کچھ سورتوں یا پاروں پر مشتمل ہیں۔ دراصل دسویں وگیارھویں صدی ہجری میں تراجم پر تفسیری حاشیے چڑھا کر ان کو تفسیر

---

[1] محمد مسعود عالم، شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ، اسلامک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۲

[2] ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ، ص: ۳۵/۳۶

[3] بزرگ بن شہر یار، کتاب عجائب الہند، ص ۳ (بحوالہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ص: ۵۳۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہا گیا ہے جو مختلف مخطوطوں کی شکل میں مختلف لائبریریوں میں آج بھی موجود ہیں۔ یہ زیادہ تر دکن میں لکھے گئے ہیں حالاں کہ ان میں سے اکثر مصنفین کے نام بھی معلوم نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اردوئے قدیم'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

اردو ہندوستانی زبانوں میں سب سے کم عمر ہے لیکن اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بناء پر اس نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں یہاں کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور ملک کے طول و عرض میں اس کو بولنے اور سمجھنے والے پائے جانے لگے۔ شمالی ہندوستان کی آب و ہوا اسے زیادہ راس آئی، یہاں کے بہت سے علاقوں میں اس کی سرپرستی بھی ہوئی۔ مسلمانوں کو خاص طور سے اس زبان سے بہت شغف رہا اور چوں کہ ہندوستان کے ہر حصہ میں اس کو بولنے اور سمجھنے والے موجود تھے اس لئے اسے مذہبی امور کے لئے رابطہ کی زبان سمجھا گیا۔

مسلمانوں کے لئے قرآن مجید سب سے اہم اور بنیادی کتاب ہے۔ عربی زبان میں ہونے کی وجہ یہاں کے تمام لوگ اس کے مطالب کو آسانی سے سمجھ نہیں سکتے تھے اس لئے شروع ہی سے اس بات کی کوشش کی گئی کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے اور تفسیریں لکھی جائیں۔ شروع میں فارسی اور عربی کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا مگر اس سے عام لوگوں کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچ پاتا تھا اس لئے سمجھ دار علماء کو فکر ہوئی کہ اس کے معانی و مطالب کو عام فہم اردو میں پیش کریں تاکہ ملک کے زیادہ سے زیادہ لوگ اسے سمجھ سکیں۔ قرآن فہمی کو آسان بنانے کے لئے شروع زمانے ہی سے اس کی تفسیریں اور ترجمے لکھے گئے۔ نحوی و صرفی الجھنوں کو اور معانی و بیان کی گتھیوں کو کھولنے کی کوشش کی گئی۔ اس کام میں شارحین اور مفسرین کے قدم لڑکھڑائے بھی اور بہت سی جگہوں پر توضیح کے بجائے تعقید اور سلجھاوے کے بجائے الجھنیں پیدا ہوئیں۔ بہت سی تفسیریں اِدھر اُدھر کی باتوں اور غیر ضروری تاویلات سے بھر گئیں۔ انہیں باتوں کو دور کرنے کے لئے علماء نے ادھر توجہ کی اور ان بے شمار الجھاووں کو دور کرنے کی کوشش کی جو محض فریب نظر اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے اثر سے اس میں شامل ہو گئے تھے۔

---

[1] جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۳/۲۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

دنیا کی علمی زبانوں میں اگر چہ اردو سب سے کم سن ہے لیکن اس میں قرآن مجید کے ترجموں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اردو میں قرآن مجید سے متعلق کتب ورسائل کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہے۔ اس میں قرآن مجید کے ترجمے، تفسیریں، اصول تفسیر، تجوید، تعلیمات قرآن، احکام قرآن، قصص قرآن، اعجاز قرآن، علوم قرآن، خواص قرآن، فضائل قرآن، تخریج آیات، ناسخ ومنسوخ، معارف قرآن، تاریخ جمع وترتیب قرآن وتفسیر ومفسرین وغیرہ شامل ہیں۔ مختلف فہرستوں اور کتابوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب تک اردو میں تقریباً پانچ سو کتابیں قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر سے متعلق لکھی جا چکی ہیں، اس میں مختلف سورتوں اور آیات کی تفسیریں بھی شامل ہیں۔

بیان القرآن سلسلۂ تفاسیر کی ایک اہم کڑی

اسی سلسلۂ تفاسیر کی ایک اہم کڑی تفسیر بیان القرآن ہے۔ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دیگر تصانیف کے مابین انتہائی اہمیت اور مقبولیت کی حامل ہے۔ اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ عوام وخواص دونوں کے مابین حد درجہ مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں کے لئے لائق استفادہ ہے۔ درحقیقت یہ ایک ایسی جامع تفسیر ہے جس میں تفسیر کے تمام پہلوؤں کو جامع انداز میں سمو دیا گیا ہے۔ گویا اس میں انہوں نے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے جس میں نہ صرف فقہی، کلامی اور نحوی مسائل سے مختصراً بحث کی گئی ہے بلکہ تصوف کے مسائل بھی پوری طرح بیان کئے گئے ہیں اور ان سب میں قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی زبان بیسوی صدی عیسوی کے ابتدائی عہد کی بلیغ، سادہ اور سہل زبان ہے۔ بیان القرآن کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل مناسب یہ ہے کہ مفسر قرآن حضرت تھانویؒ کے احوال کا اجمالی جائزہ لیا جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مفسر بیان القرآن: ایک تعارف

ولادت اور خاندانی احوال

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۵/ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بروز چہار شنبہ صبح صادق کے وقت ولادت قصبہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر یوپی میں اپنے ننہیال میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ ''کرم عظیم'' (۱۲۸۰ھ) اور لقب حکیم الامت ہے۔ ایک عالم نے آپ کا سجع ''از گروہِ اولیاء اشرف علی'' کہا تھا۔

حضرت کے والد شیخ عبدالحق صاحب کے یہاں اولاد نرینہ زندہ نہیں رہتی تھیں، ان کی خوشدامن نے اس کا ذکر ایک مشہور صاحب خدمت مجذوب بزرگ، حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی سے کیا جس پر حافظ صاحب نے فرمایا:

> ''انشاء اللہ اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے، ایک کا نام اشرف علی رکھنا اور دوسرے کا اکبر علی۔''

چنانچہ مجذوب بزرگ کی پیشگوئی کے مطابق شیخ عبدالحق کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے اور انہیں کے ارشاد کے مطابق بڑے صاحبزادے کا نام اشرف علی اور چھوٹے کا نام اکبر علی رکھا گیا۔

حضرت حکیم الامت کے حسب و نسب کا تعلق قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی کے ایک مقتدر خاندان سے ہے۔ آپ کے آباؤ واجداد صاحب علم و وجاہت و اہل منصب تھے۔ آپ دودھیالی اجداد کی طرف سے نسباً فاروقی تھے اور ننھالی اجداد کی طرف سے علوی۔ گویا وہ ننہال اور دادیہال دونوں اعتبار سے تھانوی تھے لیکن ننہیال کا تعلق بنیادی طور پر ضلع

toobaa-elibrary.blogspot.com

مظفر نگر کے ہی قصبہ جھنجھانہ سے تھا۔ ان کے نانا محترم حضرت پیر جی نجابت علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالرزاق علی جھنجھانویؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، وہ تھانہ بھون میں آ کر بس گئے تھے، وہ بھی اپنے زمانے کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ ان کے ماموں حضرت پیر جی امداد علی بن نجابت علیؒ بھی صاحب حال وقال لوگوں میں تھے۔ ابھی اپنی عمر کی آپ پانچ ہی منزلیں طے کر پائے تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس کے بعد آپ اپنی تائی صاحبہ کے پاس رہنے لگے۔ والد ماجد کو آپ سے خاص انسیت ومحبت تھی۔ وہ ایک مقتدر رئیس اور صاحب جائیداد آدمی تھے۔ میرٹھ کی ایک ریاست کے مختار عام بھی تھے اور بڑے صاحب فراست تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صاحبزادوں کی استعداد و صلاحیت کو بچپن ہی میں بھانپ لیا تھا اور اسی بناء پر بڑے بیٹے اشرف علی کو دینی تعلیم کی طرف لگا دیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس ہونہار فرزند کی تعلیم وتربیت بڑی محنت ومشقت اور فراخ دلی سے کی۔ چھوٹے بیٹے اکبر علی بہ وجوہ اس طرف نہ آ سکے، انہوں نے دنیوی تعلیم حاصل کی اور وہیں سے ترقی کر کے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے۔ انہوں نے دنیاوی لائن میں کافی ترقی کی لیکن خاندان کی دینی وروحانی روایت سے دور نہیں رہے۔ والدہ محترمہ بھی ایک صاحب نسبت اور باخدا خاتون تھیں، انہیں دین داری اور روحانیت کی دولت اپنے والد بزرگوار حضرت پیر نجابت علیؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ مذکورہ بالا احوال وکوائف کے پیش نظر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی شخصیت پر فاروقی وعلوی دونوں خون کے واضح وروشن اثرات تھے۔ وہی عدل وشجاعت اور وہی فہم وفراست جو حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت حیدر کرارؓ کی شناخت رہی ہے اس کا ایک بڑا حصہ ان کی شخصیت میں بھی موجود تھا۔

تعلیم وتربیت اور حضرات اساتذۂ کرام

حضرت حکیم الامتؒ نے ناظرہ قرآن کریم اور اردو کی ابتدائی نوشت وخواند کی صلاحیت اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ پھر ابتدائی چند پارے ''اخون جی'' کھتولی والوں سے حفظ کر لئے تھے اور باقی پارے جناب حافظ حسین علی مرحوم سے حفظ کئے جو اصلاً دہلی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے رہنے والے تھے، لیکن کسی وجہ سے میرٹھ میں سکونت اختیار کر لی تھی، پھر تھانہ بھون آ کر حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ سے عربی کی ابتدائی اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں اور فارسی کی تمام انتہائی کتابیں اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں جو فارسی ادب کے کامل استاد مانے جاتے تھے۔ اس کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ میں آپ کی دستار بندی قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے ہوئی، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۰ رسال تھی۔

دارالعلوم کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی توجہات خصوصی آپ کے اوپر مبذول رہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ کے اساتذہ

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مختلف علوم وفنون کے ماہر بھی تھے اور صاحبِ باطن و شیخِ کامل بھی۔ حضرت مرشد تھانویؒ نے اپنے دیوبند کے زمانۂ قیام میں ان سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ تعلیم سے جو وقت فارغ ہوتا تھا وہ انہی کی خدمت میں گزارتے تھے۔ بعد میں اپنی مجلسوں میں اکثر ان کا ذکر کرتے تھے۔ فرماتے تھے: خواہ تفسیر قرآن مجید کا گھنٹہ ہو، خواہ حدیث کا، دورانِ درس مولانا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہتے تھے، ان کے یہ آنسو ان کے تلامذہ کو بے حد متاثر کرتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے یہاں اپنے اساتذہ کے ادب واحترام کا غیر معمولی اہتمام تھا۔ ان سے محبت اور تعلقِ خاطر کو وہ اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اساتذہ کی محبت سے علم میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے اساتذہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ علم کے نور سے محروم رہتے ہیں۔

دیوبند کے دوسرے اساتذہ میں حضرت تھانویؒ کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید احمد دیوبندی، حضرت مولانا عبدالعلی اور حضرت ملا محمود رحمہم اللہ تعالیٰ سے خصوصی مناسبت تھی۔ ان کے دروس وتقاریر میں آئے دن ان کے اسمائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

گرامی آتے رہتے تھے۔ حضرت قاری عبداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے خصوصی اساتذہ میں تھے۔ قاری عبداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ استاذ القراء حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ بزرگ تھے، یہ تھے تو ہندوستانی، نارہ، ضلع الٰہ آباد ان کا وطن تھا، لیکن ان کی قرأت عربوں کے نزدیک مسلم ومستند تھی۔ ان سے حکیم الامت نے مکہ مکرمہ میں کسبِ فیض کیا تھا۔ قاری صاحب مکہ مکرمہ کے مدرسے مدرسہ صولتیہ میں شیخ التجوید والقراءت تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ان سے وہیں مدرسہ صولتیہ ہی میں فن تجوید کی تکمیل کی تھی۔ استاذ وشاگرد کے لہجے میں غیر معمولی یکسانی تھی۔ جب وہ مدرسہ صولتیہ کے بالائی حصہ میں بیٹھ کر مشق کرتے تھے تو لوگوں کے لئے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا تھا کہ قاری عبداللہ مکی تلاوت کررہے ہیں یا ان کے شاگرد اشرف علی حلقۂ علماء میں انہیں ایک جید قاری کی حیثیت سے شہرت حاصل تھی۔ مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ ایک نقشبندی بزرگ تھے، انہیں فنِ تجوید سے کافی شغف تھا۔ انہوں نے اس فن کے فروغ کے لئے لکھنؤ میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ قائم کیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے ہندوستان کے اچھے اور مشاق قرّاء کا انتخاب کیا تھا۔ بہ یک وقت کئی کئی قرّاء وہاں پڑھاتے تھے، کسی کو حدر میں درجہ کمال حاصل تھا، کسی کو ترتیل یا تدویر میں اور کسی کو کئی لہجوں میں انفرادیت حاصل تھی۔ حضرت مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں کی کسی مسجد میں کسی جہری نماز میں انہیں امامت کا موقع ملا، تو پیچھے حضرت مولانا شاہ عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، انہیں بہت لطف آیا۔ نماز کے بعد انہوں نے حضرت والا سے کچھ سننے کی خواہش کی۔ انہوں نے چند آیات اپنے انداز میں تلاوت کیں تو بہت محظوظ ہوئے، دل سے دعائیں دیں۔

زمانۂ طالب علمی کی پہلی تصنیف

زمانہ طالب علمی میں جب کہ حضرت تھانوی کی عمر ابھی ۱۸ رسال تھی ان کو مرض خارش لاحق ہوا، اس لئے وطن آ گئے اسی دوران بطور مشغلہ فارسی اشعار پر مشتمل مثنوی ''زیر و بم'' تحریر فرمائی جو آپ کی پہلی تصنیف ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

طالب علمی کے احوال

دیوبند میں حضرت حکیم الامت کے بعض اعزّہ اور رشتہ دار بھی تھے لیکن وہ اپنے والد ماجد کی ہدایت کے مطابق زمانہ طالب علمی میں سب سے الگ تھلگ رہے۔ طلبہ سے بھی اختلاط نہ رکھتے تھے، مطالعہ کتب سے فرصت ملتی تو اپنے استاذ خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے، ان ہی کی زیر تربیت آپ نے مشق افتاء بھی کی۔

اس زمانہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کو مناظرہ سے دلچسپی تھی، چنانچہ آریوں کے مقابلہ میں کئی معرکے سر کئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی آپ پر خصوصی شفقت فرماتے اور آپ کی محبت ومحنت اور صلاحیت کے پیش نظر حقائق ومعارف اور نکات ودقائق علمیہ کثرت سے بیان فرماتے تھے، حضرت تھانوی بھی ان سے خوب خوب استفادہ فرماتے تھے، آپ کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ: ''جہاں جاؤ گے تم ہی تم نظر آؤ گے۔''

دارالعلوم کے زمانہ قیام میں چند معمولات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''جب حضرت تھانویؒ دارالعلوم میں پڑھنے کے لئے آئے تو آپ نے چار معمولات مقرر کئے ہوئے تھے۔ پہلا تو یہ تھا کہ انہوں نے اپنے لئے کچھ ساتھی منتخب کر لئے تھے اور ان سے معاہدہ کرلیا تھا کہ نماز عشاء کے بعد نہ تکرار کریں گے نہ مطالعہ کریں گے بلکہ فوراً سو جائیں گے اور اخیر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھیں گے اور اس کے بعد مطالعہ اور تکرار کریں گے، جو کام لوگ ابتدائی رات میں کرتے ہیں وہ ہم آخر میں کریں گے۔ چنانچہ ان کے سب ساتھی اس کے پابند ہو گئے اور دوسرا معمول یہ تھا کہ منڈی میں جو دیوبند کا بازار ہے وہاں چوراہے پر تحصیل کے سامنے عصر کی نماز کے بعد روزانہ وعظ فرماتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور ہر روز پابندی سے وعظ فرماتے اور تیسرا

toobaa-elibrary.blogspot.com

معمول یہ تھا کہ جمعہ کے دن حضرات اساتذۂ کرام کی خدمت میں جایا کرتے تھے، ایک گھنٹہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں، ایک گھنٹہ مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ کی خدمت میں اور ایک گھنٹہ مولانا منفعت علی صاحبؒ کی خدمت میں اور چوتھا معمول یہ تھا کہ حجرہ میں ایک گھڑا رکھ چھوڑا تھا، جو خطوط آتے بغیر پڑھے اس میں ڈال دیا کرتے تھے، پھر ان کو امتحانات کے بعد پڑھتے، کسی میں خوشی کا اظہار ہوتا اور کسی میں غمی کا ذکر ہوتا، سالانہ امتحان سے فراغت کے بعد جب آپ تھانہ بھون آتے تو کسی کے یہاں تہنیت کے لئے جاتے اور کسی کے یہاں تعزیت کے لئے، سب لوگ کہتے کہ ہم نے خط لکھا تھا مگر تم نے جواب بھی نہیں دیا، تو حضرت فرماتے کہ میں پڑھنے کے لئے گیا تھا، کتابیں پڑھنا میرا موضوع تھا، خطوط پڑھنا میرا موضوع نہ تھا۔''

مسند تدریس پر

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرات اساتذۂ کرام کی تجویز اور والدہ ماجدہ کی اجازت سے آپ کانپور تشریف لے گئے، مدرسہ فیض عام میں بمشاہرہ ۲۵/روپے ماہوار تقرر ہوا، اور صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تین چار ماہ کے قلیل عرصہ میں تمام علما و مدرسین میں آپ کے علم و فضل کا چرچا ہو گیا۔ دوسری طرف آپ کے مواعظ حسنہ اور تقاریر عامہ نے سارے کانپور کو ان کا فریفتہ بنا دیا۔ آپ کی اس شہرت و مقبولیت سے اہل مدرسہ نے فائدہ اٹھانا چاہا اور حضرت سے خواہش ظاہر کی کہ اپنے مواعظ و تقاریر میں مدرسہ کے لئے اپیل بھی کر دیا کریں۔ حضرت حکیم الامت چوں کہ اس طرح چندہ مانگنے کو نامناسب اور غیرت دینی کے خلاف سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقہ پر وعظ کہہ کر چندہ کی اپیل کر دینے سے وعظ کا سارا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اہل مدرسہ کی اس خواہش کی حضرت کس طرح تکمیل فرما سکتے تھے؟ اس پر اہل مدرسہ میں حضرت اقدس کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے استعفیٰ دیدیا۔ اہل کانپور کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کو اس کا شدید صدمہ پہنچا۔ انہوں نے آپ کی تنخواہ کا بندوبست

toobaa-elibrary.blogspot.com

کر کے محلّہ پٹکاپور کی جامع مسجد میں درس و تدریس کا نظم کر دیا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے جامع مسجد کی مناسبت سے اس نئے مدرسہ کا نام جامع العلوم تجویز فرمایا۔ ۱۴ سال تک آپ کانپور میں درس و تدریس افتاء و تبلیغ میں مشغول رہے۔ آپ کا طرزِ تعلیم اتنا نفیس، سلیس اور سہل تھا کہ جو طالب علم آپ سے دو چار سبق بھی پڑھ لیتا تو پھر دوسرے استاذ سے اس کو تسلی نہ ہوتی تھی۔ آپ مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں حل فرما دیتے۔ چنانچہ بہت جلد طلبہ اور اساتذہ میں آپ کے علم و فضل کا سکہ بیٹھ گیا۔

حضرت تھانویؒ کے اصولِ تدریس

حضرت تھانویؒ نے غیر معمولی افادہ و استفادہ کی غرض سے کارِ تدریس کے لئے چند اصول متعین فرمائے تھے جو کہ درس و تدریس سے وابستہ ہر فرد کے لئے انتہائی مفید ہیں، وہ اصول درج ذیل ہیں:

(۱) استاذ کو محنت سے مطالعہ کر کے شاگرد کے سامنے سبق کو سہل ترین صورت میں پیش کرنا چاہئے۔

(۲) مشکل اور پیچیدہ مقام کو پہلے سہل ترین انداز میں شاگرد کو سمجھایا جائے، بعد ازاں اس مقام کا تعارف شاگرد سے کرایا جائے اور اگر پہلے ہی یہ بتا دیا کہ یہ مقام اس کتاب کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے تو طالب علم نفسیاتی طور پر اس سے مرعوب ہو جائے گا اور پھر سمجھنے میں دقت ہوگی۔

(۳) طلباء کے سامنے محض اظہار قابلیت کی خاطر زائد از ضرورت تقریر کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

(۴) ہفتہ واری تقریروں اور مناظروں سے بھی حضرت کو شدید اختلاف تھا۔ فرماتے تھے کہ اس کی وجہ سے طلباء کی توجہ ہفتہ بھر ایک ہی موضوع، تقریر و مناظرہ کی طرف لگی رہتی ہے اور اصل سبق میں اس سے شدید حرج واقع ہوتا ہے اور فرماتے تھے کہ جب کتابیں اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو پھر تقریر و مناظرہ سب کچھ آ جاتا ہے۔

اسی تناظر میں ان کے یہاں طلبہ کے لئے بھی ذیل میں مذکور چند ہدایات تھیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

طلبہ سے متعلق ہدایات

فرماتے تھے کہ اگر طلبا تین باتوں کا التزام کرلیں تو علمی استعداد پیدا ہو جائے گی۔

(الف) آئندہ سبق کا مطالعہ ضرور کریں اور مطالعہ میں کتاب کا حل کرنا ضروری نہیں بلکہ معلومات اور مجہولات میں تمیز پیدا ہو جانی چاہئے۔

(ب) استاذ سے پڑھتے وقت بلا سمجھے ہوئے آگے نہ بڑھیں۔

(ج) جب سمجھ جائیں تو بعد میں ایک بار خود اسی مطلب کی تقریر کرلیں۔

فرماتے تھے کہ استعداد پیدا کرنے کے لئے یہ تین چیزیں تو واجب ہیں اور ایک چیز وجہ استحباب میں ہے اور وہ یہ کہ روزانہ پچھلے پڑھے ہوئے حصہ میں سے کچھ حصہ کا مطالعہ کرلیا کریں۔

تھانہ بھون واپسی

حضرت حکیم الامت نے چودہ برس تک کانپور میں قیام کیا۔ اس مدت میں وہاں کے لوگوں میں غیر معمولی مقبولیت و پذیرائی حاصل کی۔ مدّاحین ومعتقدین کا حلقہ وسیع ہوگیا۔ یہ شہرت ومقبولیت اتنی بڑھی کہ صرف کانپور ہی نہیں، اس کے مضافات بلکہ دوسرے قریبی شہروں اور قصبوں سے بھی لوگ انہیں اپنے یہاں مدعو کرنے لگے۔ مدارس کے سالانہ جلسوں اور سیرتِ رسول پر بیان کے لئے انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا تھا۔ جہاں اور جس مقام پر بھی ان کا وعظ ہوتا تھا شائقین کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ بڑی بے چینی کے ساتھ ان کی محافلِ وعظ کا انتظار کیا جانے لگا تھا۔ طویل مدت تک مقبولیت ومحبوبیت کا ریکارڈ قائم کرنے کے بعد وہ اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تلقین وہدایت کے مطابق صفر المظفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور سے تھانہ بھون آ گئے۔ خانقاہِ امدادیہ کو تعلیم وتربیت کا مرکز بنا کر پوری عمر تھانہ بھون ہی میں مقیم رہے اور عوام وخواص کے ایک بڑے طبقے کے ذہن وفکر کی تربیت فرماتے رہے۔ اس خانقاہ کو علماء اور دین پسندوں کے ایک بڑے طبقے میں روحانی تعلیم وتربیت کی دانش گاہ کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس روحانی دانش گاہ سے کسب فیض کیا ہے اور اس مشن کو آگے بڑھایا ہے، جس کا سلسلہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے عالی مرتبت صحابہ اور تابعین سے ملتا ہے۔

حضرت تھانوی کے چند نامور تلامذہ کرام

کانپور کے زمانہ قیام اور چودہ سالہ دور تدریس میں یوں تو ہزاروں علمائے کرام نے آپ سے سند فراغ حاصل کی مگر ان میں سے چند حضرات بڑی شہرت اور امتیاز کے مالک ہوئے۔ مثلاً حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بردوائیؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب کانپوریؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب فتح پوریؒ، حضرت مولانا صادق الیقین صاحب کرسویؒ، حضرت مولانا فضل حق صاحب الہ آبادیؒ، حضرت مولانا شاہ لطف رسول صاحب فتح پوریؒ، حضرت مولانا الحاج حکیم محمد مصطفیٰ صاحب میرٹھیؒ، حضرت مولانا مظہر الحق صاحب چاٹگامیؒ، حضرت مولانا سعید احمد صاحب تھانویؒ، شیخ المحد ثین حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ، جناب منشی مظہر علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ (مصنف تیسیر المبتدی)، حضرت مولانا سمیع اللہ خان صاحب شروانی، حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ، بانی مدرسہ اشرفیہ سکھر اور جناب مولانا سید محمد شمس الحسن صاحب تھانویؒ، خطیب جامع مسجد خضریٰ کراچی۔ ان تین موخر الذکر حضرات نے تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ سے جلالین شریف کے کچھ اسباق پڑھے تھے، بڑے خوش قسمت ہیں وہ حضرات جن کو حضرت تھانویؒ سے تلمذ حاصل ہے۔ فَطُوْبٰی لَهُمْ وَ هَنِيْأً لَّهُمْ۔

بیعت وسلوک

چوں کہ حضرت حکیم الامت کی پیدائش ایک مشہور اور صاحب خدمت مجذوب کی دعاؤں کا نتیجہ تھی، اس لئے پیدائشی طور پر آپ کے اندر عشق الٰہی کی حرارت شعلہ زن تھی۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کسی ضرورت سے دیو بند تشریف لائے تو حضرت سے حکیم الامتؒ اشتیاق سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھے، ان دنوں دار العلوم کی مشہور نودرہ کی تعمیر چل رہی تھی، پڑی ہوئی اینٹوں پر سے ان کا پاؤں بے اختیار پھسل پڑا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو تھام لیا، اگرچہ اس وقت بیعت اور اس کی حقیقت سے آپ ناآشنا تھے، مگر کشش اس درجہ بڑھی کہ آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کر ہی دی۔ حضرت گنگوہیؒ نے دورانِ تعلیم اس کو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرما دیا، لیکن حضرت حکیم الامتؒ کے قلب میں یہ خیال بصورت حسرت پرورش پاتا رہا۔ جب ۱۲۹۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ عازم حج ہوئے تو حضرت تھانویؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرؒ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ:

''آپ مولانا (گنگوہیؒ) سے فرمادیں کہ مجھ کو بیعت کرلیں۔''

لیکن جواب میں حضرت حاجی صاحب نے خود ہی غائبانہ طور پر بیعت فرمالیا، اس وقت حضرت حکیم الامتؒ کی عمر ۱۹ رسال تھی۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے بیعت فرمالینے کے بعد آپ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا کہ:

''تم حج کو آؤ اور جب آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو لیتے آؤ۔''

پہلا سفر حج

شوال ۱۳۰۱ھ میں جب کہ حضرت حکیم الامتؒ کانپور کے اندر اشاعتِ علوم میں مصروف تھے۔ سفر حج کے سامان پیدا ہو گئے اور معیت والد ماجد آپ کو سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ بصد اشتیاق مکہ معظّمہ پہنچے۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ، لیکن حضرت والا کے والد ماجد نے مفارقت گوارا نہ کی، اس لئے حضرت حاجی صاحب نے پھر فرمایا کہ:

''والد کی اطاعت مقدم ہے۔ اس وقت چلے جاؤ، پھر دیکھا جائے گا۔''

دوسرا سفر حج اور اجازت بیعت

چنانچہ حضرت شیخ کے اس حکم اور خواہش کی تعمیل و تکمیل ان کے سفر حج ۱۳۱۰ھ میں کی اور مکہ مکرمہ تشریف لے جا کر صحبت خاص کی اس نعمت بے بہا سے مشرف ہوئے، جو عرصہ سے مرشد اور مسترشد کے دلوں میں ایک تمنا بن کر پرورش پا رہی تھی۔ ایک طرف حضرت حاجی

toobaa-elibrary.blogspot.com

صاحب کی قوت افاضہ اور دوسری طرف حضرت حکیم الامت کی قابلیت استفادہ بس تھوڑے ہی دنوں میں باہم اس درجہ مناسبت پیدا ہوگئی کہ حضرت حاجی صاحب یہ فرمانے لگے کہ:

''بس تم میرے پورے پورے طریق پر ہو۔

حضرت حاجی صاحب کے بیان علوم و معارف اور تقریر کے دوران اگر سامعین میں سے کوئی صاحب کچھ دریافت کرنا چاہتے تو حاجی صاحب حضرت تھانوی کی طرف اشارہ فرمادیتے کہ ان سے معلوم کرلینا۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئے اور حضرت حاجی صاحب کو جب حضرت تھانوی کی کوئی تحریر دیکھنے یا تقریر سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہوکر فرماتے کہ جزاکم اللہ، تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کردی۔ حضرت حاجی صاحب نے ایک دفعہ یہ بشارت دی تھی کہ: تم کو تفسیر اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی'' چنانچہ حضرت حکیم الامت کی ان دونوں سے مناسبت تامہ اظہر من الشمس ہے۔

مکہ مکرمہ کے قیام میں آپ نے مشہور عالم مجود قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے فن تجوید سیکھا اور اس میں مہارت و کمال حاصل کیا اور حاجی صاحب کے درس مثنوی شریف میں شرکت فرماتے رہے۔ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں حضرت حاجی صاحب نے ہر طرح مطمئن ہوکر اور اپنے ذوق و مسلک سے ہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر خلعت خلافت اور منصب رشد و ہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق خدا کی رہنمائی کے لئے تعلیم و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت حاجی صاحب کی دو وصیتیں

جب حضرت حکیم الامتؒ نے وطن واپسی کی اجازت چاہی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے بکمال شفقت آپ کو ہندوستان جانے کی اجازت دی اور دو وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

۱- دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہنچ کر تم کو ایک حالت (باطنی) پیش آئے گی، عجلت مت کرنا، مجھے مطلع کرتے رہنا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ کبھی '' کانپور '' کے تعلق سے دل برداشتہ ہوتو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا، توکل بخدا '' تھانہ بھون '' جا کر بیٹھ جانا۔

حضرت حکیم الامت مکہ معظّمہ سے ہندوستان واپس آ کر پھر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مصروف درس وتدریس ہو گئے اور اس عرصہ میں تصنیف وتالیف کے علاوہ آپ کے عارفانہ و عالمانہ مواعظ وملفوظات اور تہذیب وتربیت باطنی کا سلسلہ بھی جاری رہا، جس کو اہل ذوق وبصیرت قلم بند کرتے رہے اور ۱۴ سالہ قیام کانپور کے دوران ہی یہ سلسلہ دور دور تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں ابتداء ہی سے آپ کے علوم ظاہری اور باطنی کے فیوض سے عوام وخواص میں ہر دل عزیزی اور مقبولیت پیدا ہوگئی تھی۔

خانقاہ امدادیہ اور دینی خدمات

حضرت حکیم الامت نے اپنے شیخ کی تمنا اور ہدایت کے مطابق '' خانقاہ امدادیہ '' میں سکونت اختیار فرمائی اور توکلاً علی اللہ اپنے بزرگوں کی مقدس مسند رشد وہدایت پر متمکن ہو گئے اور اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک ایسا مکمل ومنضبط لائحہ عمل تیار کیا جس کے مطابق اپنے پیش نظر عظیم الشان دینی واصلاحی خدمات کے سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے۔ پھر انفرادی اصلاح اور تربیت باطنی کے کام کو بہت فروغ ہوا اور یہ جگہ مریضان باطنی کے علاج کا مرکز بن گئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اصلاح وتربیت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، افتاء وتبلیغ، مواعظ وملفوظات ہی میں بسر ہوئی اور تقریباً نصف صدی تک خدمت واصلاح خلق کے جتنے شعبے ہو سکتے تھے ہر شعبہ اور ہر راستہ سے تن تنہا وہ خدمات انجام دیں کہ بڑی بڑی جماعتیں اور ادارے اس کا عشر عشیر کرنے سے بھی عاجز ہیں۔

وقت گزرتا رہا اور اس خانقاہ کی اہمیت اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ یہی خانقاہ ایک ایسا شہرہ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں دینی علوم وفنون کا ایک معیاری جامعہ بھی تھی، جہاں سے دین متین کے اہم اور وقیع مسائل کی تنقیح وتحقیق کا زبردست کام ہوا اور یہی خانقاہ ایک بے مثال دینی درسگاہ بھی تھی جہاں علوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ تہذیب اخلاق کی عملی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی اور یہی خانقاہ تعلیم وتربیت روحانی اور تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق باطنی کی ایک ممتاز ومنفرد تربیت گاہ بھی تھی جہاں بڑے بڑے جید علماء سے لے کر عوام کے ہر طبقہ کے طالبین حق وسالکین طریق تھوڑے سے عرصہ میں تربیت باطن اور تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر حقیقت تصوف اور سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریق بنے اور اس شمع ضیا پاش سے اپنی اپنی بساط کے موافق روشنی حاصل کر کے اور منصب رشد وہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے، جن کا فیضان روحانی اب تک جاری وساری ہے۔ بالآخر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی دلی تمنا اور پیش گوئی اس طرح پوری ہو کر رہی۔

مواعظ وملفوظات

حضرت تھانویؒ کا جذبۂ تبلیغ ان کو متحدہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لے گیا اور مختلف موضوعات پر بعض اوقات مسلسل پانچ پانچ گھنٹہ تک آپ کے وعظ ہوئے ہیں جو دین کے اجزائے خمسہ پر مشتمل اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ پر مبنی ہیں۔ تقریباً ۴۰۰ وعظ قلم بند ہو کر شائع بھی ہوئے اور ان کی اشاعت اپنی مقبولیت وافادیت کے پیش نظر برابر جاری ہے۔

مواعظ کے علاوہ حضرت حکیم الامت کے افادات وعلوم اشاعت کا ایک بڑا ذریعہ ان کے روزمرہ کے ملفوظات ہیں جو تقریباً ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مجموعہ حضرت کی نظر سے گزار کر شائع کیا گیا ہے۔

یہ مواعظ وملفوظات احکام اسلامی، رد بدعات، تعلیم اخلاق، درستگی اعمال، اصلاح معاشرت اور نصائح دل پذیر پر مشتمل ہیں۔ شریعت وطریقت، دنیا وآخرت اور ہر شعبۂ زندگی کے مسائل ومعاملات میں جو دشواریاں اور اشکالات پیدا ہوتے ہیں ان کا آسان حل، مناسب ومفید تدابیر اور علاج ان میں موجود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

رشد و ہدایت اور احسان و سلوک

حضرت اقدس کے یہاں دین و دنیا کے تمام امور میں توازن و اعتدال تھا۔ افراط و تفریط سے احتراز اور حفظ حدود کا خاص اہتمام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقی معنی میں حکیم الامت بنایا تھا۔ مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی فکر آپ کی حوائج طبعیہ میں داخل اور عمر کے بیشتر اوقات کا مشغلہ ہوگئی تھی۔ دین کے ہر رخنہ پر نظر اور اس کی اصلاح کی فکر، امت کی ہر ضرورت کا خیال اور اس کی صحیح و سہل تدبیریں حق تعالیٰ نے آپ پر القاء فرمادیں۔

اکثر اطباء علاج میں صرف مرض کا خیال کرتے ہیں، مریض کا نہیں۔ شخصی حالات یا زمان و مکان کے اختلاف پر بہت کم نظر جاتی ہے۔ حضرت کے یہاں روحانی معالجہ میں دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رہتا تھا۔ طالب کی قوت برداشت، اس کے مذاق اور دلچسپی کی بھی خاص رعایت رکھی جاتی تھی۔ سب کے لئے ایک ہی نسخہ نہیں برتا جاتا تھا، آپ اکثر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا مقولہ نقل فرماتے تھے کہ شیخ ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں دین انبیاء کا سا ہو تدبیر اطباء کی اور سیاست بادشاہوں کی سی ہو۔

اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنے مواعظ و ملفوظات اور عام مجالس میں عقائد و عبادات کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی صحت پر بے حد زور دیا ہے اور لوگوں کو شیخ کامل کی رہنمائی کی خود اپنی اصلاح کی طرف خصوصیت سے متوجہ کیا ہے۔

ان کے یہاں کسی سلسلہ کی روایات تھیں، نہ رسوم، تعلیم و تربیت کے نہ وہ کورانہ تقلید کے انداز تھے نہ روایتی حلقے، توجہ نہ مراقبے، بس اہتمام تھا تو شریعت کے احکام کی بجا آوری کا اور دُھن تھی تو ہر انداز زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آل کے اسوۂ حسنہ کے اتباع کی۔ فکر تھی تو نفس و شیطان کے مکائد سے بچنے کی، ان کے یہاں کیفیات، مکاشفات اور کرامات پر اتنا زور نہیں تھا جتنا کہ عقائد و عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست اور طریقت کی درستگی پر تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا۔ آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں۔''

اور فرماتے:

''میں تو کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، قطب بننا ہو تو کہیں اور جاؤ، اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ۔''

اسی سلسلہ میں فرماتے کہ انسان بننا فرض ہے، بزرگ بننا فرض نہیں۔ اس لئے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہوگی۔

مقصود بیعت

آپ چاروں سلسلوں (چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور قادریہ) میں بیعت فرماتے تھے، مگر اس کے ساتھ ہی بیعت کو لازم وضروری خیال نہ فرماتے بلکہ طالب کے ذہن میں اول ہی مرحلہ میں یہ بات ذہن نشین کرادیتے کہ تزکیۂ نفس اور ترقی باطن بیعت پر موقوف ہے نہ اوراد وظائف پر، بلکہ اصل شئے جس سے معرفت، تقویٰ، شرافت نفس حاصل ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف ظاہر و باطن کے اوامر ونواہی پر عمل اور اتباع سنت ہی پر منحصر ہے جو ہر شخص پر فرض و واجب ہے اور یہی حاصل تصوف وسلوک ہے۔ عام ذہنوں میں جو یہ بات جم گئی ہے کہ صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا، جب تک ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ کیا جائے۔ حضرت فرماتے تھے کہ: ''یہ غلو فی العقیدہ'' ہے۔ اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے، اصل بیعت تو کام کرنا ہے۔

اور فرماتے کہ:

میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اس کی اتباع پر موقوف ہے، اصل چیز یہی ہے۔ آپ سالکین کے لئے تمام کیفیات، انفعالات باطنی کو نظر انداز کر کے دو باتوں کی خاص طور پر تلقین فرماتے۔ ایک یہ کہ غایت طریق پر نظر رکھی جائے کہ وہ رضائے حق ہے۔ جس کا حصول محض ادائے حقوق واجبہ پر منحصر ہے۔ دوسرے معاملات وتعلقات میں اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ یہی شرافت نفس اور صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

احساس انسانیت کی علامت اور غایت سلوک ہے۔

آپ بہت اہتمام سے تاکید فرماتے تھے کہ حقوق العباد کا ادا کرنا اوراد و وظائف سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے۔ اس کے ترک سے مواخذہ ہوگا اور ترک وظائف سے کچھ مواخذہ نہیں یہ تو مستحب ہے۔ لوگ ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری اختیار کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت کے یہاں سب سے زیادہ اہتمام تہذیب اخلاق و دیانت پر تھا۔

آپ فرماتے تھے کہ:

''میری تعلیم و تربیت کا سارا مدار اس پر ہے میں طریق میں تہذیب اخلاق کو سب سے زیادہ مقدم سمجھتا ہوں۔ چنانچہ جب اخلاق درست ہو جاتے ہیں تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں اور جب تک اصلاح اعمال و اخلاق نہ ہو اس وقت تک ذکر و اذکار سے کوئی نفع نہیں ہوتا، اس لئے کہ اخلاق و اعمال کی خرابی ایسا حجاب ہے جو ان کے اثرات و انوار کو روح میں سرایت کرنے سے روک دیتا ہے۔''

حضرت حکیم الامت نہ تو ریاضت و مجاہدات کراتے نہ ترک تعلقات نہ ترک لذات و مباحات بلکہ یہ تاکید فرماتے کہ خوب آرام و راحت سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عبادات ہو، البتہ معصیت کے پاس بھی نہ پھٹکو، نفس کی نگرانی رکھو، ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ بس انشاء اللہ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت، نہ کم سونے کی، یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں، کیوں کہ طباع میں آج کل ضعف غالب ہے، البتہ کم بولنا اور کم ماننا جلنا ضروری ہے مگر نہ اتنا کم جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے۔

حضرت کے ضابطۂ تعلیم و تربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے، جن کی فہم پیدا ہو جانے سے طریق میں کوئی گنجلک، پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا۔ مثلاً مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا، اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہونا، سالک کو تجویز ترک کرنا اور تفویض کو اختیار کرنا، مقصود شرعیہ کو پیش نظر رکھنا اور غیر مقصود

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی طرف التفات نہ کرنا، کیفیات باطنی کو محمود سمجھنا اور مقصود نہ سمجھنا، طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا بلکہ عقل کا فتویٰ پر عمل کرنا اور ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

اسوۂ حسنہ رسول اکرم ﷺ

تعلیماتِ نبوت کی تجدید فرمانے والے اور ایک مجددِ ملت کا منصب رکھنے والے کی یہی شان ہونی چاہئے کہ اس کی زندگی کا ہر انداز "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کا پورا مصداق ہو کیوں کہ جب وہ مسلمانوں کو احیائے سنت کی تعلیم و تبلیغ کر رہا ہو تو خود بھی اس کی ساری زندگی اسی تعلیم کا عملی نمونہ ہونا چاہئے۔ اس کے تمام عادات و معاملات اور اخلاقیات، معاشرت قدم بہ قدم اتباعِ سنت ہی کی صراطِ مستقیم پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت، مجددِ ملت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کی فطرت سلیمہ ہی میں متابعت سنت کی صلاحیت ودیعت فرمائی تھی۔ حضرت والاؒ کا تمام ضابطۂ حیات و اندازِ زندگانی اسی سے مرتب نظر آتا ہے اور یہ چیز آپ کے تمام کارناموں، اشاعت و تبلیغِ دین اور اندازِ تعلیم و تربیت باطن میں ہر طرح ظاہر و نمایاں نظر آتی ہے۔

اس موضوع کی وضاحت کے لئے خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جو وقتاً فوقتاً ارشاد ہوئے اور قلم بند ہو کر شائع ہوئے ہیں، ان کے بعض اجمالی خلاصے اشرف السوانح سے نقل کر کے درج کئے جا رہے ہیں تاکہ حضرتؒ کی ذاتی و صفاتی زندگی کی ایک ہلکی سی جھلک ناظرین کے لئے بصیرت افروز ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام ظاہری و باطنی اعمال کو اسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ ایک شانِ محبوبیت پیدا ہو گئی تھی:

حقیقت یہ ہے کہ اتباعِ سنت ہی میں ہمارے لئے حیاتِ طیبہ ہے اور دین و دنیا کی فلاح ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے کلام پاک میں اس کا اعلان فرمایا ہے کہ جو بھی میرے محبوب ﷺ کا اتباع اپنے امورِ زندگی میں کرے گا، اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت فرمائیں گے۔ ایک بندہ کے لئے اس سے بڑا احسان و انعام الٰہی اور کیا ہو سکتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت تھانویؒ کی مجالس

ان کی مجلسوں میں علم ومعرفت اور دین وحکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں وہ ملفوظات ہیں، جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچ چکی ہے، وہ مرشد کامل تھے، ہزاروں مسترشد ومستفیدین ان کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے اور ان کے تسکین بخش جوابات دیتے اور ہدایات کرتے تھے جن کا مجموعہ "تربیت السالک" ہے۔

انہوں نے بزرگوں کے احوال وکمالات کو یکجا کیا اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا۔ ان کی متعدد کتابیں اس مضمون پر ہیں۔ انہوں نے حضرات چشت کے احوال واقوال میں سے بظاہر اعتراض کے قابل باتوں کی حقیقت ظاہر کی اور ان کی تاویلات کیں، ان کی کتابوں کے خلاصے، اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ ہیں، جن کی ترتیب ان کے مسترشدین نے کی ہے۔ وہ مصلح امت تھے، انہوں نے امت کے سینکڑوں معائب کی اصلاح کی، رسوم و بدعات کی تردید اور اصلاح رسوم اور انقلابِ حال پر متعدد تصانیف لکھیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے علاج اور نشاۃ واحیاء پر حیوۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے۔ غرض ان کی زندگی میں مسلمانوں کی شاید کوئی مذہبی ضرورت ہوگی جس کا مداوا حضرت حکیم الامت نے اپنی زبان اور قلم سے نہیں فرمایا اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر آ سکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی تصانیف

ان کی تصنیفات ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلیں اور ہزاروں مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا باعث ہوئیں۔ اردو اور عربی کے علاوہ مسلمانوں نے اپنے ذوق سے اُن کی متعدد تصانیف کا ترجمہ دوسری زبانوں میں بھی کیا۔ چنانچہ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور سندھی میں شائع ہوئے۔

ان کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں آٹھ سو کے قریب ہیں۔ ۱۳۵۴ھ میں ان کے ایک خادم مولوی عبدالحق فتح پوری نے ان کی تصانیف کی ایک فہرست شائع کی تھی جو بڑی تقطیع کے پورے ۸۶ صفحوں کو محیط ہے۔ اس کے بعد کے نو برسوں میں جو رسائل یا تصانیف ترتیب پائیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملو ہے اور جس کا اہم کارنامہ خواہ حق کے اثبات و اظہار میں ہو یا باطل کی نشر و اشاعت میں پریس اور مطبع ہی کے برکات ہیں۔ زبان و قلم اس صدیق کے مبلغ ہیں اور رسائل و منشورات دعوت کے صحیفے ہیں۔ اس بناء پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد سے کرامات بھی ان ہی کمالات میں جلوہ گر ہوں۔

علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں، جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیئے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے۔ امام جریر طبری، حافظ خطیب بغدادی، امام رازی، حافظ ابن جوزی، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ میں لئے جاسکتے ہیں۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کا ایک اہم نام حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا ہے۔

تصانیف تھانوی کی نوعیت

تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقہی ہے اور کم تر کتب درس کے متعلق ہیں تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں۔ مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم الحدیث، کلام و عقائد، فقہ و فتاویٰ اور سلوک و تصوف اور مواعظ اکثر ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے رسائل اور تصانیف کی تعداد گو آٹھ سو کے قریب ہے مگر ان میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی، داخل ہیں۔ ان میں بعض اتنے مختصر ہیں کہ صرف صفحے دو صفحے میں ہیں، بعض ایسی ضخیم ہیں کہ کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ بیشتر تصانیف نثر میں اور اردو زبان میں ہیں، البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان میں ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

"(۱) سبق الغایات فی نسق الآیات (۲) انوار الوجود (۳) التجلی والعظیم (۴) حواشی تفسیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیان القرآن (۵) تصویر المقطاعت (۶) التلخیصات العشر (۷) مأۃ دروس (۸) الخطب الماثورہ (۹) وجود المثانی (۱۰) سبع سیارہ (۱۱) زیادات (۱۲) جامع الآثار (۱۳) تائید الحقیقہ۔ اور متن فارسی میں ہیں: (۱) مثنوی زیر و بم (۲) تعلیقات فارسی (۳) عقائد بانی کالج۔"

نظم میں حضرت تھانویؒ کی تصنیف "مثنوی زیر و بم" ہے اور یہ طالب علمی کے بعد ہی لکھی ہے۔ بظاہر اس میں ایک بے وقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے، مگر درحقیقت یہ نفس انسانی کی بصیرت افروز حکایت ہے۔ ایک اور نظم اوادِ رحمانی کے آخر میں ہے۔ حضرت تھانویؒ کو فارسی کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ حافظ اور مولانا رومی کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے اور نظم کا ملکہ اور سلیقہ بھی تھا مگر کبھی اس سے کام نہیں لیا۔

قرآن پاک کی خدمت

اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ یعنی قرآن پاک ہے، حضرت تھانویؒ نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی، وہ بجائے خود اُن کی ایک علمی کرامت ہے۔ کانپور کے زمانۂ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے، وہاں پر امت کے اولین مفسرِ قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، جن کو آں حضرت B نے اَللّٰھم علِّمہ الکتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ اس رویاء کے بعد سے میری مناسبتِ قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اس کی طرف اشارہ تھا۔

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی، بلکہ لفظ اور معنی دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے اور بڑے جید حافظ و قاری تھے اور فنونِ تجوید و قراءت کے بڑے ماہر۔ اخیر زمانہ میں پانی پت کے قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے قراءت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہوگئی تھی۔

حضرت تھانویؒ ایک دفعہ جب پانی پت گئے تو لوگوں نے ان کو بالقصد کسی جہری نماز میں امام بنا دیا۔ مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر ایسی قراءت فرمائی کہ قاریوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعریف کی کہ صحتِ مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر مؤثر قراءت ہم نے نہیں سنی۔ مولانا کی قراءت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی۔ لیکن لہجہ میں عام قاریوں کی طرح بناوٹ نہ تھی اور نہ تحسین آواز کے لئے بے تکلف اتار چڑھاؤ ہوتا تھا بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسب موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور تاثیر میں ڈوب کر نکلتی تھی کہ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

تجوید وقراءت ومتعلقاتِ علوم قرآنی

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس فن پر حسبِ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(۱) جمال القرآن: یہ فن تجوید کا رسالہ ہے، جس میں قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل ہیں۔ مخارج اور صفاتِ حروف، اظہار واخفاء، ابدال وادغام وتفخیم وترقیق اور وقف ووصل کے مسائل درج فرمائے ہیں۔

(۲) تجوید القرآن: اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کو یاد کرنے کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں۔

(۳) رفع الخلاف فی حکم الاوقاف: اوقافِ قرآنی کے بارے میں قاریوں میں جو اختلاف ہے اس رسالہ میں اس کی توجیہ وتطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے۔

(۴) وجود المثانی: اس میں قرآن شریف کی مشہور قراءتوں کے اختلافات کو قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب سے سلیس عربی میں جمع فرمایا ہے اور اخیر میں تجوید وقراءت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہیں۔

(۵) تنشیط الطبع فی اجراء السبع: قراءت سبع اور اس فن کے رواۃ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

(۶) زیادات علی الکتب الروایات: اس میں قراءت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں۔ یہ وجود المثانی کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۷) ذنابات لمافی الروایات: یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے۔

(۸) یادگار حق القرآن: اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے۔ یہ تجوید القرآن کا اختصار اور ضمیمہ ہے۔

(۹) متشابہات القرآن التراویح: رمضان میں قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح میں قرآن سنانے میں بعض مشہور مقامات پر جو متشابہات لگتے ہیں ان سے بچنے کے ان میں چند قواعد کلیہ یعنی گر بعض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہیں۔

(۱۰) آداب القرآن: قرآن پاک کی تلاوت کے آداب اور تلاوت کرنے والوں کی کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے ہدایات وتنبیہات ہیں۔

علوم القرآن

علوم القرآن کے متعلق مختلف مباحث ومسائل تو حضرت کی ساری تصانیف، مواعظ، ملفوظات اور رسائل میں ملتے ہیں، لیکن درج ذیل کتاب کو اس باب میں اہمیت حاصل ہے۔

سبق الغایات فی نسق الآیات: یہ قرآن پاک کے آیات وسوَر کے ربط ونظم پر عربی میں ۱۵۹ صفحوں کی کتاب ہے جس کو ۱۳۱۶ھ میں ڈھائی مہینوں میں تصنیف فرمایا۔ اس میں حضرت نے سورۂ فاتحہ سے سورہ الناس تک تمام سورتوں اور ان کی آیتوں کے ربط پر کلام فرمایا ہے اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی تفسیر کبیر اور مفتی ابوالسود بغدادی المتوفی ۹۵۱ھ کی ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا القرآن الکریم سے ماخوذ ومستنبط ہے، جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کردی گئی ہے۔ ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافوں کو ''قال المسکین'' کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ یہ حصہ بھی اچھا خاصا ہے اور اخیر کی سورتوں میں زیادہ تر اضافات ہی ہیں۔ جن میں مؤلف نے ان سورتوں کے موضوع اور عمود کی تعیین فرمائی ہے۔ چوں کہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہیں، اسلئے ان دوقیات کی نسبت ہمیشہ رائیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ تاہم ان سے مولانا کے ذوقِ قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

علاوہ ازیں تفسیر البیان میں بھی ربط ونظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) دلائل القرآن علیٰ مسائل النعمان: مولانا کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا وہ ظاہر ہے۔ ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابوبکر جصاص رازی اور تفسیراتِ احمدیہ ملا جیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دیں، جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پا سکا۔ آخر میں یہ خدمت انہوں نے اپنے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں۔

چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہِ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے۔ مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے اُن کو یاد آجاتے تھے بیان فرماتے اور حضرت مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آ کر قلم بند فرما لیتے۔ یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا اور کام ناتمام رہ گیا۔ لیکن حضرت کی وفات کے بعد یہ کتاب چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۴) تصویر المقطعات لتفسیر بعض العبادات: تفسیر بیضاوی میں حروفِ مقطعات کا جو مجمل و مغلق بیان ہے اس رسالہ میں بزبانِ عربی اس کو آسان کر کے بیان کیا گیا ہے جس سے حروف مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کے دو رسالے علم القرآن سے متعلق اور ہیں اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے۔ ایک کا نام مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور دوسرے کا نام تائید الحقیقۃ بالآیات العتیقۃ ہے۔ ان دونوں رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی ان آیتوں کی تفسیر ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مؤلف کی تالیف ہے جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۳۷ھ میں بہاولپور میں ملا تھا۔ اس پر مزید اضافہ کر کے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ قرآن کریم اور ہندوستان

'ترجمہ کا کام بظاہر جتنا آسان معلوم ہوتا ہے، اُسی قدر بعض اعتبارات سے مشکل بھی ہے اور دقیقہ رسی کا طالب بھی۔ تخلیقی ادب کی پیشکش بعض اوقات احتیاط کے اتنے مرحلوں سے نہیں گذرنا پڑتا جس قدر کسی زبان کا ترجمہ کرتے وقت، تاہم اگر ان مرحلوں کو سر کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج ہزاروں سال قدیم تحریریں خواہ وہ سقراط وافلاطون کے علمی افکار ہوں یا ابنِ رشد، بوعلی سینا، ابونصر فارابی کے کارنامے ہوں یہ سب لسانی دائروں میں محدود رہ کر فنا ہو جاتے۔ لیکن علم دوستوں نے ترجموں کے ذریعہ علم کے ان دفینوں کی دولت کو عام کر دیا اور انہیں عالمی ورثہ بنا دیا۔

ہندوستان میں دوسری زبانوں کے علاوہ جن ادبی سرمایوں کو اردو میں منتقل کیا گیا ہے ان میں ایک بڑی تعداد قرآن کریم کے ترجموں کی ہے۔ اگر چہ ابتداء میں اس مقدس الہامی کتاب کے ترجمہ کو مناسب نہ سمجھا گیا بلکہ سخت مخالفت کی گئی اور قرآن کریم کو اس کی اصلی زبان عربی ہی میں رائج رکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ موحدین کی سلطنت کے زمانہ میں جو عبداللہ منہاس کی تحریر کے مطابق ۵۲۴ھ تا ۶۶۷ھ تک الجزائر سے اندلس تک پھیلی ہوئی تھی، وہاں جب قرآن کا ترجمہ پہلی بار بربری زبان میں کیا گیا تو علماء نے اس کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس ترجمہ کا نام ونشان بھی نہ رہنے دیا۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فارسی ترجمۂ قرآن ''فتح الرحمٰن'' نے اردو ترجموں کے لئے پہلی مرتب ایک راہ ہموار کی، فتح الرحمٰن کا قلمی نسخہ مکتبہ شرقیہ دارالعلوم اسلامیہ پشاور میں موجود ہے اور متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ البتہ ایک قدیم ترجمہ فارسی میں شیخ سعدیؒ کا بھی ملتا ہے، لیکن عام طور سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ترجمہ کو مقبولیت اور شہرت حاصل رہی ہے۔ فارسی کے ان تراجم کے ذریعہ اردو ترجمہ قرآن کا سلسلہ بہت تیزی سے شروع ہوا اور بکثرت ترجمے کئے گئے۔

آپ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے قرآن کریم کا مکمل بامحاورہ ترجمہ پہلی بار کیا۔ شاہ صاحب کا خاندانی مدرسہ اس وقت مدرسہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ عبدالعزیز قائم تھا جو دہلی میں محلّہ کلاں محل کے قریب تھا۔

اردو کا پہلا مکمل ترجمۂ قرآن

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ۶۳ رسال کی عمر پائی، آپ کا وصال ۱۲۳۰ھ میں ہوا۔ شاہ صاحبؒ اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ کی سرپرستی میں رہے۔ شاہ فضل الرحمٰنؒ گنج مرادآبادی کے بقول شاہ ولی اللہؒ کی ساری اولاد علم و فضل میں یگانہ تھی، ان میں صاحبِ نسبت صرف شاہ عبدالقادرؒ تھے۔ صاحبِ نسبت اس کو کہتے ہیں کہ وہ جس بات کا ارادہ کرے، خدا تعالیٰ اُسے پورا فرمادے۔[1]

شاہ عبدالقادرؒ کے قرآن کریم کے ترجمے کو جو مقبولیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اہلِ علم اور اربابِ طریقت دونوں اس ترجمہ کو الہامی قرار دیتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے اردو ترجمہ کو الہامی کہنے کی وجہ علمائے دین یہ تحریر کرتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے قرآن کریم کے الفاظ کی لغوی تشریح عربی زبان کی رعایت سے کی ہے اور معانی میں ہر لفظ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جو معنی صاحبِ کلام حق تعالیٰ شانہٗ کی مراد ہے اس کی چند مثالیں دیگر تراجم کی روشنی میں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تقویٰ کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے قرآن کے متعدد مقامات میں بچنا یا پرہیزگاری کیا ہے لیکن بعض مقامات پر بجائے پرہیزگاری یا بچنے کے ''ادب بڑا'' یا ''دلوں کا ادب'' ترجمہ کیا ہے۔ آیات یہ ہیں: ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ'' کا ترجمہ ''جس کو ادب بڑا'' کیا ہے اور ''تَقْوَی الْقُلُوْبُ'' کا ترجمہ ''دلوں کا ادب'' کیا ہے۔''

علاوہ ترجمہ کی ان پر موقعہ رعایات کے علاوہ اہم خصوصیات جو الہامی بصیرت کا ثبوت پیش کرتی ہے وہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کے یہاں انبیاء علیہم السلام اور حضور ﷺ کے بلند مقامات اور درجات کا احترام نبوت و رسالت کا لحاظ و رعایت ہے۔

---

[1] مقالات پروفیسر خلیق احمد نظامی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت تھانویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں فرق

گویا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ''موضح قرآن'' اردو زبان کا پہلا بامحاورہ ترجمہ ہے جس میں انہوں نے اردو کے روزمرہ کے محاورات کو بھی نبھانے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت یہی ان کا کمال ہے۔

حضرت تھانویؒ اور شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں جو خاص فرق محسوس ہوتا ہے وہ محاوراتی اور کتابی زبان کا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے ترجمے میں محاورات اور دلّی کی ٹکسالی زبان ہندی کے الفاظ بہت سادگی اور خوبصورتی سے استعمال کئے ہیں اور مولانا تھانویؒ نے ترجمہ کرنے میں کتابی زبان استعمال کی ہے جس کا اظہار انہوں نے وجوہات کے ساتھ مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ اس میں جو فرق ہے اس کی نشاندہی کی جاسکے اور مولانا تھانویؒ کے ترجمے کی خصوصیات کا جائزہ لیا جاسکے۔

قرآن کریم چوں کہ صرف ایک ادبی کتاب ہی نہیں بلکہ ایک مذہبی صحیفہ بھی ہے، اس لئے اگر اس کی ترجمانی میں لوگوں نے احتیاط کو مدِّ نظر رکھا ہے، تاہم ترجموں میں غلطیاں یا کوتاہیاں سرزد ہونا بالکل ممکن تھا اس لئے اہلِ علم نے جہاں قرآن کریم کے اردو ترجمے کئے وہاں ان ترجموں پر نقد و تبصرہ بھی کیا جو کسی اعتبار سے معیار سے فروتر نظر آئے۔ خود مولانا تھانویؒ نے جن کے ترجمے پر ہم اس مقالے میں روشنی ڈال رہے ہیں بعض قرآنی تراجم پر تنقیدیں بھی سپردِ قلم کیں اور ان کی اصلاح کے لئے مشورے بھی دیئے۔ اس کے علاوہ مولانا بعض مصالح کے پیش نظر صرف تنقید و اصلاح پر ہی اکتفا نہ کرسکے تو خود علیحدہ مکمل

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن کا ترجمہ کیا اور تفسیر بھی لکھی جو مکمل بیان القرآن کے نام سے آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

بیان القرآن قرآن کا ترجمہ اور تفسیر

بیان القرآن کا مطالعہ کر کے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ پہلے لکھا گیا ہے اور تفسیر بعد میں لکھی گئی ہے لیکن ترجمہ کے آغاز و اختتام کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی ہے، نیز اگر ترجمہ اور تفسیر پر غور کیا جائے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور تفسیر کے اسلوب میں فرق ہے۔ ترجمہ عام فہم اور آسان زبان میں ہے جب کہ تفسیر میں عربی، فارسی الفاظ کے ساتھ بکثرت اصطلاحات کا بھی استعمال ہے۔ جیسا کہ ترجمہ اور تفسیر کی مزید خصوصیات کا ذکر آگے آرہا ہے۔

تفسیر لکھنے کی وجہ

حضرت تھانویؒ نے تراجم کی طرح تفاسیر کی اصلاح پر بھی رسالے لکھے مثلاً: التقصیر فی التفسیر، توحید الحق، رسالۃ ملاحۃ البیان فی فصاحۃ القرآن وغیرہ مگر کوئی خاص مقصد حاصل نہ ہوسکا۔ دوسری طرف ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت تھانویؒ کی طرف سے اپنی جملہ کتب کا حق تصنیف محفوظ نہ رکھنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد مطابع نے حضرت تھانویؒ کے ترجمہ کے ساتھ مختلف حواشی لکھ کر حضرت تھانویؒ کے نام سے پھیلانا شروع کر دیا، لہٰذا مجبوراً تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔

حضرت تھانویؒ خود لکھتے ہیں:

> ''بہت روز سے خود بھی اور احباب کے اصرار سے بھی گاہ گاہ خیال ہوا کرتا تھا کہ کوئی مختصر تفسیر قرآن مجید لکھی جاوے جو ضروریات کو حاوی اور زوائد سے خالی ہو مگر تفاسیر و تراجم کی کثرت دیکھ کر امر زائد سمجھا جاتا تھا، اس اثناء میں نئی حالت یہ پیش آئی کہ بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے شائع کرنے شروع کیے، جن میں بکثرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیئے جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی، ہر چند کہ چھوٹے چھوٹے رسالوں سے ان کے مفاسد پر اطلاع دے کر ان مضرتوں کی روک تھام کرنے کی کوشش کی گئی مگر چوں کہ کثرت سے ترجمہ کا مذاق پھیل گیا ہے وہ رسالے اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی ثابت نہ ہوئے تاوقتیکہ ابناء زمانہ کو کوئی ترجمہ بھی نہ بتلایا جاوے جس میں مشغول ہو کر ان تراجم مبتدعہ سے مخترعہ سے بے التفات ہو جاویں ہر چند کے تراجم و تفاسیر محققین سابقین کے بالخصوص خاندان عزیزیہ کے ہر طرح کافی ووافی ہیں مگر ناظرین کی حالت وطبیعت کو کیا کیا جاوے کہ بعض تفاسیر میں عربی یا فارسی نہ جاننے کی مجبوری، بعض تراجم میں اختصار یا زبان بدل جانے کا عذر مانع دلچسپی ہوا۔ تامل و مشورے سے بھی ضرورت ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جائے جس کی زبان وطرز بیان وتقریر مضامین میں ان کے مذاق وضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ اور ساتھ ہی اس کے کوئی ضروری مضمون خواہ جواز قرآن ہو یا اس کے متعلق ہو رہ نہ جائے۔ چند روز تک یہ رائے صورت و تجویز و پیرایہ تذکرہ میں رہی، آخر بنام خدا محض توکل علی اللہ پھر اس اطمینان پر کہ اگر میں کسی قابل نہیں ہوں تو کیا ہوا بزرگانِ عصر اصلاح فرما کر اس کو دیکھنے کے قابل کر دیں گے۔ آخر ربیع الاول ۱۳۲۰ھ میں اس کو شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید تمام اور نفع انام رکھتا ہوں۔"[1]

مولانا کے بعض معاصرین نے قرآن کے تراجم لکھے، یہ تراجم مختلف وجوہات کی بناء پر درست نہیں تھے، متعدد لوگوں نے تنقیدات لکھیں۔ حضرت تھانویؒ سے بھی اس سلسلہ میں رجوع کیا گیا۔ ان میں سے کچھ تراجم یہ ہیں:

الف- اصلاح ترجمہ دہلوی۔ یہ دراصل ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ تھا۔ اس میں جدید قواعد کے ساتھ اولین توجہ ادبی اردو کی جانب مبذول رکھی گئی تھی، جس کی وجہ سے لوگوں میں

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ادارہ تفسیر القرآن، دہلی، ۱۳۵۳ھ، ج ۱، ص: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقبولیت تو حاصل ہوئی لیکن غلط عقائد اور غلط ترجمہ کے رواج پانے کا امکان تھا جس کے پیش نظر مولانا نے مستقل رسالہ اس کی غلطیوں کی اصلاح پر لکھا۔ دوسرا ترجمہ مرزا حیرت دہلوی کا سامنے آیا۔ مولانا نے اس کی اصلاح پر بھی یہ رسالہ تحریر کیا۔

ب- اصلاح ترجمہ حیرت کے نام سے لکھا۔ موصوف عربی سے نابلد تھے، جس کی وجہ سے یہ بات بھی مشکوک تھی کہ یہ ترجمہ کس نے کیا ہے۔

ج- **الھادی للحیران فی واردی تفصیل البیان:** اسی طرح مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے قرآنی انڈیکس مع ترجمہ تفصیل البیان فی مقاصد القرآن کے نام سے تیار کیا تھا۔ مؤلف کی درخواست پر آپ نے ترجمہ وانڈیکس کی اصلاح کی اور الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان کے نام سے رسالہ لکھا لیکن ان تراجم کی اصلاح کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوا۔

تفسیر بیان القرآن کا آغاز

تفسیر بیان القرآن کی تیاری، آغاز اور اشاعت کے سلسلے میں جو تفصیلات اور معلومات حضرت نے خود تحریر کی ہیں ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضرت تھانویؒ نے ماہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ کے آخر میں اس کا ترجمہ لکھنا شروع کیا لیکن اول پارے کے چوتھائی حصہ کا ترجمہ اور تفسیر لکھ پائے تھے کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا، بند ہونے کی وجہ حضرت نے تحریر نہیں کی۔ انہوں نے دوبارہ ماہ محرم ۱۳۲۳ھ کے وسط میں ترجمہ اور تفسیر کے کام کو پھر شروع کیا اور تکمیل کے بعد پہلی مرتبہ ۱۳۲۶ھ میں اسے شائع کیا گیا۔ اس مطبوعہ نسخے پر اس کا نام ''بیان القرآن'' درج کیا گیا تھا۔[1]

نظر ثانی اور اصلاحات

ترجمہ اور تفسیر کی یہ پہلی اشاعت بھی کافی مقبول ہوئی لیکن اس پہلی اشاعت کے بعد جب حضرت نے خود اس کا کہیں کہیں سے مطالعہ کیا تو آپ کو بعض حصے قابلِ اعتراض معلوم

---

[1] فضلائے دارالعلوم اور ان کی قرآنی خدمات، ص: ۱۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوئے۔ خود مولانا کا بیان ہے کہ بیان القرآن کے چھپتے وقت اس کے حواشی میں بعض جگہ ان کے علم اور رائے کے خلاف ترمیم کردی گئی تھی لیکن اس کے بعد دوبارہ مع ان ترمیم و اضافوں کے جو نظر ثانی کے وقت خود حضرت نے کی تھیں ان ہی کی منشاء سے اصل مسودہ کو آپ ہی کے برادرزادہ مولانا شبیر علی صاحب، مالک ''اشرف المطابع'' تھانہ بھون نے طبع کرادیا اور اس میں ان کے دو رسالے جو قرآن کریم سے متعلق تھے معہ ترجیح الراجح کے بعض حصوں کے شامل کئے اور اس کے ساتھ ہی بعض وہ عبارتیں ان علماء کی اس میں شامل کردیں جو بطور حاشیہ انہوں نے پیش کی تھیں۔ ان عبارتوں کو حضرت تھانویؒ کے حاشیوں سے امتیاز کے لئے لفظ محشی لکھ کر علیحدہ اضافہ کردیا گیا۔ ان اضافوں کے بعد حضرت تھانویؒ نے اس کا نام ''بیان القرآن'' سے ''مکمل بیان القرآن'' تجویز کردیا اور اس نام سے ان کی زندگی میں ۲۰ رشوال المکرّم ۱۳۵۳ھ میں طبع ہوا اور یہ تفسیر اپنی اسی شکل میں آج بھی موجود ہے، البتہ اب قریب میں اس پر مزید کام ہوا ہے، جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

تفسیری مآخذ

حضرت نے اپنے ترجمے اور تفسیر کی تیاری میں جن کتابوں سے مدد لی ہے ان کے نام خود ان کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق یہ ہیں:

(۱) تفسیر بیضاوی (۲) تفسیر جلالین (۳) تفسیر رحمانی (۴) اتقان فی علوم القرآن (۵) معالم التنزیل (۶) روح المعانی (۷) مدارک (۸) خازن (۹) تفسیر کشاف (تفسیر حقانی) (۱۰) تفسیر ابن کثیر (۱۱) لباب النقول (۱۲) درمنثور (۱۳) تفسیر کشاف (۱۴) قاموس۔[1]

بعض تراجم قرآن کا بھی مطالعہ کیا، ان کتابوں کے علاوہ بہت سے نام حضرت نے تحریر نہیں کئے۔ اس کے علاوہ ضرورت پڑنے پر حضرت نے بعض کتب فقہ و حدیث کا مطالعہ بھی کیا ہے جن کے نام ہمیں حاشیوں میں ملتے ہیں۔ مثلاً احادیث کی کتابوں میں ابوداؤد، صحیح مسلم، ترمذی شریف، ابن ماجہ، بخاری شریف، مسند احمد، نسائی، الجامع الصغیر

[1] مقدمہ بیان القرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com

وغیرہ کے نام ملتے ہیں اور منطق کی کتب میں صدرا کا حوالہ ملتا ہے۔ فقہی کتابوں میں درمختار، تبیان، شرح العوامل وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

چنانچہ اس تعلق سے حضرت مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اس تفسیر کے لکھتے وقت یہ کتابیں میرے پاس رہتی تھیں۔ بیضاوی، جلالین، تفسیر رحمانی، معالم التنزیل، روح المعانی، مدارک، خازن، تفسیر فتح المنان، تفسیر ابن کثیر، لباب، درمنثور، کشاف، قاموس، بعضے تراجم قرآن۔ ان میں سے بعض کتابیں اول سے پاس رہیں اور بعض کچھ لکھنے کے بعد آئیں اور بعض بالکل آخر میں آئیں۔ چنانچہ حوالوں سے اس کی تفصیل وتعیین معلوم ہوسکتی ہے اور ضرورت کے وقت کتب حدیث وفقہ وسیر کی مراجعت بھی کی جاتی تھی۔[1]

ان مشہور ومعروف صحیح کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ مولانا تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ناگزیر اصطلاحات

اصطلاحات اس تفسیر کی یہ ہیں کہ جو عبارت خطوط ہلالیہ سے خارج ہے وہ ترجمہ ہے اور جو خطوط ہلالیہ کے اندر محصور ہے وہ ترجمہ سے زائد ہے اور باوجود کافی ہونے اس فارق کی زیادت احتیاط وتوضیح کے لئے ترجمہ پر خط بھی کھینچ دیا ہے جو علامت متن کی اور ترجمہ میں اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ادھر جہاں قرآن لکھا ہے اس کے نیچے بھی ترجمہ لکھ دیا ہے اور ایک التزام یہ بھی کیا گیا ہے کہ حاشیہ عربیہ میں جہاں کسی کتاب کی بعینہٖ عبارت لی گئی وہاں اس کتاب کا نام لکھ دیا ہے اور جہاں کچھ مناسب تصرف ہوا وہاں نام کتاب کے قبل من بڑھا دیا ہے۔ جہاں استاذی لکھا ہے اس سے مراد حضرت مولانا یعقوب رحمۃ اللہ ہیں اور جہاں مرشدی لکھا ہے اس سے مقصود حضرت مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ ہیں۔ جہاں کوئی مآخذ نہیں لکھا وہاں احقر نے اپنی رائے ویادداشت سے لکھ دیا ہے۔

[1] مقدمہ بیان القرآن، ص: ۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیان القرآن کی پہلی اشاعت

جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا کہ حضرت تھانویؒ نے اس تفسیر کو ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں لکھنا شروع کیا اور ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں مکمل کیا۔ یہ تفسیر پہلی مرتبہ چھ چھ جلدوں کو یکجا کر کے دو حصوں میں ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔[۱]

بیان القرآن کی مختلف اشاعتیں

حضرت تھانویؒ نے اپنی جملہ تصنیفات کے طباعتی حقوق عام کر رکھے تھے جو چاہے شائع کر سکتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں ہر قابل ذکر مطبع نے اسے شائع کیا جس کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا تو دشوار ہے، البتہ اس کا نام بدل بدل کر شائع کیا گیا، مثلاً:

(۱) مطبع مجتبائی دہلی سے ۲۶-۱۳۲۵ھ-۱۹۰۸ء میں ''ترجمہ قرآن'' کے نام سے بارہ جلدوں میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔[۲]

(۲) محبوب المطابع دہلی سے ۱۳۳۳ھ-۱۹۱۴ء میں ''ترجمہ اشرفیہ محبوبیہ'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۳]

(۳) نور محمد مالک کارخانہ تجارت کتاب دہلی سے ۱۳۴۲ھ-۱۹۲۴ء میں ''ترجمہ اشرفیہ نوریہ'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۴]

(۴) حمیدیہ پریس، دہلی سے ۱۳۵۵ھ-۱۹۳۶ء میں ''متوسط دو ترجمہ والا قرآن مجید محشی'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۵]

(۵) قدسی پریس دہلی سے ۱۳۵۷ھ-۱۹۳۸ء میں ''اعجاز نما قرآن مجید'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۶]

(۶) نور محمد اصح المطابع کراچی سے ۱۳۶۸ھ-۱۹۴۹ء میں ''معجز نما متوسط قرآن شریف مع حواشی'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۷]

۱ مقدمہ بیان القرآن ۲ قرآن کریم کے اردو تراجم، ص: ۵۱ ۳ البیان التراجم القرآن، ص: ۶۳
۴ البیان التراجم القرآن، ص: ۶۴ ۵ قرآن کریم کے اردو تراجم، ص: ۵۳ ۶ ایضاً ۷ ایضاً

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۷) قرآن محل، کراچی سے ۱۳۷۲ھ-۱۹۵۳ء میں ''نور افزاء متوسط قرآن شریف مع حواشی'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۱]

(۸) ڈھاکہ سے ۸۳-۱۳۸۲ھ-۱۹۶۳ء میں ''انوار البیان فی تفہیم القرآن'' کے نام سے شائع ہوئی۔[۲]

(۹) تاج کمپنی لاہور سے ایک دفعہ ''القرآن الحکیم'' کے عنوان سے، دوسری دفعہ ''القرآن الحکیم ترجمہ وتفسیر اختصار شدہ بیان القرآن'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔[۳]

(۱۰) حالاں کہ اس تفسیر کا صحیح نام ''بیان القرآن'' ہے اور اس نام کے ساتھ بقول ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی ۱۳۳۴ھ-۱۹۱۶ء میں[۴] ایک رائے کے مطابق ۱۳۳۶ھ-۱۹۱۸ء میں[۵] مجتبائی پریس دہلی سے ۱۲ر جلدوں میں شائع ہوئی[۶] اور اس کی ہر جلد اڑھائی پارہ پر مشتمل تھی۔[۷] مصنف کی بعض ترامیم کے بعد پہلی دفعہ ۱۳۵۳-۱۹۳۵ء میں[۸] ادارہ تھانوی المطابع تھانہ بھون سے شائع ہوئی[۹]۔ پاکستان میں تاج کمپنی نے ۱۹۵۳ء میں پہلی دفعہ مکمل لکھ کر شائع کیا مگر یہ مکمل نہیں تھا[۱۰]۔ مکمل ۱۹۷۸ء میں شائع کرایا۔ اس کے علاوہ ایچ ایم سعید نے مکمل شائع کیا ہے۔[۱۱]

(۱۱) اس تفسیر کا ایک ایڈیشن ''تفسیر بیان القرآن'' کے نام سے مکتبہ رحمانیہ، لاہور سے شائع ہوا ہے، جس میں ترجمہ کی تسہیل کا کام حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے

---

۱ ایضاً ۲ (World Bibliography, 620) ۳ ایضاً، ص: ۵۴۴

۴ اردو میں تفسیری ادب، ص: ۲۹۶

۵ قاری شریف احمد، تاریخ قرآن شریف، کراچی، مکتبہ رشیدیہ، ص: ۲۲۹

۶ World biblography.544

۷ مقدمہ بیان القرآن، ج ۱، ص: د

۸ اردو میں تفسیری ادب، ص: ۲۸۹، مقدمہ بیان القرآن، ج ۱، ص: ب

۹ مقدمہ بیان القرآن، ج اوّل، ص: ب

۱۰ تفسیر کا ٹائٹل تھا، ''القرآن الحکیم مع مکمل بیان القرآن''، ترجمہ از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، تاج کمپنی تھانوی، تاج کمپنی لمٹیڈ، ط: ۱، ۱۹۳۵ء، جب کہ تفسیر میں سے عربی حصہ مسائل السلوک وغیرہ نکال دیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

صاحبزادے حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمہ نے انجام دیا ہے۔ اور تخریج مولانا حافظ محبوب احمد خان صاحب مدرس مدرسہ رحمۃ للعالمین لاہور نے کی ہے۔ اس نسخہ کی خصوصیات حسبِ بیانِ ناشر درج ذیل ہیں:

(۱) مضامین کی ترتیب نو تشکیل دی گئی ہے۔

(۲) جب تک پہلی آیت کی تفسیر ختم نہ ہو جائے اگلی آیت کا ترجمہ درج نہیں کیا گیا ہے۔ (یعنی متن، ترجمہ اور تفسیر کی ترتیب کا سو فی صد اہتمام کیا گیا ہے اور اب آپ کو اس نسخے میں ''بقایا صفحہ فلاں پر'' کہیں درج نہیں ملے گا)

(۳) ترجمہ میں چوں کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ کچھ الفاظ ثقیل معلوم ہونے لگے تھے، اس سلسلے میں تمام تر رہنمائی ''مولانا سید انظر شاہ کشمیری، خلف الرشید علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے تسہیل ترجمہ بیان القرآن سے لی گئی اور ترجمہ میں جتنے بھی الفاظ بین القوسین درج ہیں وہ مولانا سید انظر شاہ کشمیری ہی کے ہیں۔

(۴) مولانا چوں کہ بیان القرآن میں ''تفسیر بالقرآن'' کا بے حد اہتمام کرتے ہیں اور جا بجا آیات لاتے ہیں، اس لئے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ ان آیات کی حتی الامکان تخریج کروادی گئی مع سوا مکررات کے۔

(۵) اس سے قبل کی شائع کردہ ''بیان القرآن'' میں حاشیہ کو ڈھونڈنے کے لئے انتہائی بیدار مغزی کی ضرورت ہوتی تھی، ویسے بھی اس میں ایک طرح کا نہیں بلکہ کئی طرح کے حواشی لگائے گئے ہیں۔ ہم نے یہ التزام کیا کہ سب سے پہلے ملحقات الترجمہ کے تحت آنے والے حواشی کو لائیں اور اس کے بعد جو آزاد حواشی تھے (یعنی وہ ترجمہ، تفسیر، عربی وغیرہ میں کہیں بھی آسکتا ہے) ان کو ان ہی آیات کے آخر میں الحواشی کے عنوان کے تحت نمبر دے کر لے آئے۔ اب ہمیں امید واثق ہے کہ کسی بھی آیت کے تحت لایا گیا تمام تفسیری مواد ایک ہی جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

(۶) اس کے ماسوا ایک اللغات، نحو اور بلاغہ کے تحت بھی مولانا کا طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے ایک لفظ لاتے ہیں اور پھر اس کی تشریح بیان کرتے ہیں۔ ہم نے پہلے ''قولہٗ'' جلی لا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کر پھر وہ لفظ لکھ کر آگے اس کی وضاحت کر دی۔

(۷) متن قرآن کتابت شدہ لگایا گیا ہے اور اس کے علاوہ جہاں بھی قرآنی آیات بضمنِ تفسیر وغیرہ آئی ہے وہ بھی کتابت شدہ ہی لگائی گئی ہے تاکہ اعرابی اغلاط ہونے کی گنجائش نہ رہے۔[1]

تفسیری اصول

ہندوستان میں قرآن کریم کے ترجمہ کے بانی کی حیثیت سے حضرات مفسرین کے درمیان حضرت شاہ صاحبؒ کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے دیگر علمی کاموں کے علاوہ "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" ان کی مشہور تصنیف ہے جو خاص طور سے تفسیری اصول کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ اسی لئے اس کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا گیا، جو انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے چار ابواب علوم القرآن کے سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔

پہلا باب: ان علوم پنج گانہ کے بیان میں ہے جن کو قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کے لئے شاہ صاحبؒ نے عنوان قائم کیا ہے "**الباب الاول فی العلوم الخمسة التی بینها القرآن العظیم بطریق التنصیص**"

دوسرا باب: موجودہ زمانہ کے لوگوں کے اذہان کے اعتبار سے قرآن پاک کے معانی کی ترتیب میں خفاء کی وجوہات اور ان کا وضاحت کے ساتھ ازالہ جس کے لئے درج ذیل عنوان قائم کیا گیا ہے: "**الباب الثانی فی بیان وجوه الخفاء فی معانی نظم القرآن بالسنة الٰی اذهان اهل الزمان و ازالة ذالک الخفاء باوضح بیان**"

تیسرا باب: قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں جس کے لئے عنوان قائم کیا گیا ہے: "**الباب الثالث فی بدیع اسلوب القرآن**"

چوتھا باب: فنون تفسیر کے بیان میں، جس کے لئے عنوان قائم کیا گیا ہے کہ "**الباب الرابع فی بیان فنون التفسیر**"

---

[1] حرفِ اول، تفسیر بیان القرآن، جلد اول، ص: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

فنون تفسیر کا بیان میں چوتھے باب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تفسیر قرآن کریم کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے زمانے سے تابعین تک مفسرین کی مختلف جماعتیں رہی ہیں۔ ایک جماعت صرف ان آثار کی روایت کو مانتی ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ وہ احادیث مرفوع ہوں یا موقوف، تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت، یہ طریقہ محدثین کا رہا ہے۔

ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اسماء اور صفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے۔ یہ طبقہ متکلمین کا ہے۔

ایک جماعت مفسرین کی ایسی ہے جو مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی ہے۔ یہ طریقہ فقہاء اور اہل اصول استعمال کرتے ہیں۔

مفسرین ہی میں ایک جماعت ایسی ملتی ہے جو الفاظ قرآن مجید کی لغوی، نحوی اور صرفی اعتبار سے خصوصیت سے تشریح کرتی ہے۔ یہ اہل لغت کا انداز ہے۔

ایک گروہ ایسا ہے جس نے علم بیان کے نکات کو اہمیت دی ہے اور یہ ادیبوں کا انداز ہے۔

بعض لوگ تفسیر فن قراءت کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں جو قراء کی روش ہے اور کچھ مفسرین طریقت وسلوک کے نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کر دیتے ہیں جو صوفیوں کا انداز ہے۔

غرض اختلافِ ذوق اور رجحان کو تفسیر کے میدان کی توسیع میں بڑا دخل رہا ہے۔ تفسیر کے سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے اپنے نظریات اصولِ تفسیر میں اس طرح قائم کئے ہیں جن میں وہ اعتدال کی راہ کو اپنا کر وضع کرتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم کے واقعات کو نقل کرتے وقت عقلی تصرف بلاضرورت نہ کیا جائے۔ مثلاً بنی اسرائیل کی گائے نر تھی یا مادہ۔ اصحابِ کہف کے کتے کا رنگ کیسا تھا۔ یہ سب بے نفع تفصیلات ہوتی ہیں۔ صحابہؓ ایسی بحثوں کو تضیع اوقات خیال کرتے تھے۔

(۲) دوسرے شاہ صاحبؒ کے نزدیک اسرائیلی روایات کا نقل کرنا عام طور سے ایک مستقل ذہن بن گیا ہے جیسا کہ الفوز الکبیر میں وہ تحریر کرتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اسرائیلیات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے ذہن میں داخل ہوگئی ہے
حالاں کہ قاعدہ یہ ہے کہ ان کی تصدیق کرو، نہ تکذیب۔''

اس قاعدہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ جب تک تعریض کلام اللہ کا بیان حدیث نبوی ﷺ میں دستیاب ہو سکے بنی اسرائیل سے نہ نقل کرنا چاہئے۔ لیکن اسی عبارت کو دوسری جگہ شاہ صاحبؒ احتیاط اور ضرورت کے تقاضے کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''اگر کوئی واقعہ ایسا ہو جس کی طرف آیت کے ظاہر الفاظ میں ایسا اشارہ ہے کہ
زبان کا جاننے والا اس پر آ کر رک جاتا ہے تو ایسے واقعات کا بیان کرنا مفسرین
کا فرض ہے۔''

شاہ صاحبؒ کی ان دونوں عبارتوں کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے تفسیر میں غیر ضروری زوائد سے بچنے کی کوشش کی ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اس قدر اجتناب بھی نہ کیا جائے کہ واقعات کی تفصیل سے گریز کیا جائے بلکہ ایسے موقع پر مفسر کا فرض ہے کہ وہ وضاحت اور تشریح کے ساتھ تفصیل اختیار کرے۔ شاہ صاحبؒ کا یہی طریقہ راہِ اعتدال اختیار کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۳) تیسرا نکتہ شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے آیات شرح غریب میں مفسر کو تشریح کرتے وقت دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

اول عربوں کی زبان کے بارے میں کہ وہ کن محاورات عرب اور جملوں کو کن مواقع پر استعمال کرتے ہیں کیوں کہ قرآن کریم کا نزول عربی زبان میں ہوا اور اہل عرب کو زبان پر قدرت ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز کو سمجھنا دشوار نہ تھا بلکہ وہ اپنی زبان دانی پر نازاں رہے ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن کی تفسیر کے لئے مفسرین کو اس پہلو سے سمجھنا نہایت ضروری ہے ورنہ تشریح و تفسیر کا مکمل حق ادا نہیں ہو سکتا کیوں کہ عربی زبان کی یہ خوبی ہے کہ ایک کلمہ کے کئی معنی نکلتے ہیں اور ایک ہی لفظ میں زبان کے اعتبار سے اتنی وسعت کسی دوسری زبان میں بمشکل ملے گی۔ شاہ صاحبؒ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ زبان میں تو وسعت ہے لیکن قرآن کریم کے مطلب کو سمجھنے اور صحیح ہونے میں کون سے معنی زیادہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

قریب اور قوی ہو سکتے ہیں۔ مفسرین کے لئے یہ سمجھنا ضروری اور اہمیت کا حامل ہے۔

دوسری بات ان کے خیال میں ان کی تحریر کے مطابق یہ خیال رکھنے کی ہے ''لاحق و سابق پر کہ کون سی حیثیت راجح ہے'' یعنی سیاق وسباق کی قریبی مناسبت کا لحاظ مفسر کو آیات کی تشریح کرتے وقت رکھنا چاہئے۔

شاہ صاحبؒ کا لغتِ قرآن کے معانی کو عربوں کے محاورات کے لحاظ سے استعمال کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہؓ و تابعینؒ کے آثار پر پورا اعتماد کرتے ہوئے قرآن کی تفسیر کے قائل ہیں کیوں کہ عرب اپنے خطبات میں بکثرت ایسے محاورات استعمال کرتے تھے جو کہ مشہور قواعد کے مخالف ہوتے تھے۔ قرآن عربوں زبان میں نازل ہوا، اس لئے اگر کسی جگہ ''و'' کے بجائے ''ی'' اور تثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مونث آجائے تو عربوں کے لئے کوئی حیرت کی بات نہیں۔ لہٰذا تحقیقی بات یہ ہے کہ **والمقمین الصلوٰۃ** کا ترجمہ حالتِ رفعی کے اعتبار سے کیا جائے۔''

اصول تفسیر کے ذیل میں شاہ صاحب نے غرائب القرآن کے سلسلہ میں کچھ بحث کرتے ہوئے چند قسمیں تحریر کی ہیں:

(۱) مثلاً تذکیر بالآء اللہ کے فن میں غریب وہ آیت ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات کا بڑا مجموعہ ہے جیسے آیت الکرسی، سورۂ اخلاص اور سورۂ حشر جیسی آیات۔

(۲) تذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں کسی قصہ کو قرآن کی تفصیل سے بیان کیا جائے یا ایسے وقعات ہوں جس میں عبرت کے کئی پہلو نظر آتے ہوں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ جس کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ:

> ''موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ اور زیادہ صبر کرتے تا کہ خدائے تعالیٰ ہم سے اس قصہ کو اور زیادہ ذکر فرماتا۔''

(۳) تذکیر بالموت اور مابعد الموت: اس فن میں شاہ صاحبؒ نے غریب وہ آیات تحریر کی ہیں جن میں قیامت کے حالات جمع ہوں۔ مثال کے طور پر سورۂ اذا الشمس کوّرت۔ خود

toobaa-elibrary.blogspot.com

آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزومند ہو اس سے کہہ دو کہ وہ سورۂ **اذا الشمس کوّرت** کو پڑھے۔ یہ حدیث شاہ صاحب نے حوالہ دیتے ہوئے اپنے اس تفسیری اصول کے رسالہ میں تحریر کی ہے۔

اس کے بعد شرعی احکام کے سلسلہ میں وہ آیت غریب ہے جو کسی موقعہ پر حدود (سزا) کے لئے مثلاً ''زنا'' کے جرم میں شریعت میں سو دُرّے یا کوڑوں کی ایک تعداد مقرر کی ہے۔ فن مخاصمہ میں غریب اس آیت کو کہتے ہیں جس میں اس طرح تشریح ہو کہ اس کے اسلوب اور اندازِ بیان سے کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے جیسا کہ شاہ صاحب کے الفاظ تحریر ہیں:

> ''بسا اوقات غرائب الکلام کی بلاغت اور اسلوب کی شیرینی سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ رحمٰن، یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حدیث میں عروس القرآن رکھا گیا ہے۔''

آخر میں شاہ صاحب نے ان مباحث کی وضاحت کے ساتھ حدیث شریف پیش کی ہے: ''**لکل آیة منهما ظَهرٌ و بطن ولکلِّ حَدٍّ مطلع.**

ترجمہ: (قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے لئے ایک معنی ظاہری اور ایک باطنی ہے اور ہر ایک حد کے لئے جھانکنے کی جگہ ہے)[1]

یعنی ہمیں شاہ صاحب کی ان تحریروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فنِ تفسیر یا تفسیری اصول میں شاہ صاحب ان مندرجہ بالا تمام اصول کو ضرورت کے لحاظ سے ضروری سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کے مطالب ظاہری اور باطنی کو احادیث کی روشنی میں سمجھتے ہیں جو مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا برصغیر میں بالخصوص قرآن کریم کے پہلے مفسر کی حیثیت سے اور علومِ دین کی اہم خدمات کے اعتبار سے شاہ صاحب کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کے بعد کے مفسرین اُن سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

---

[1] خلاصہ از الفوز الکبیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیان القرآن اصول تفسیر کے معیار پر

اگر حضرت تھانویؒ کی اس تفسیر کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ اصول و مبادی کا گہرا رنگ ان کی تفسیر میں موجود ہے۔ یہ تفسیر مختصر ہونے کے باوجود تمام اصول تفسیر کو ملحوظ رکھ کر جامعیت کی شان کی حامل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت تھانویؒ نے یہ جانتے ہوئے کہ ان سے قبل علماء اس خدمت کو بہت تفصیل و وضاحت کے ساتھ انجام دے چکے ہیں اس لئے جس مضمون کو بہت ضروری خیال کیا یا اس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش محسوس کی اس کی وضاحت اور تفصیل پیش کی ہے ورنہ مختصراً ترجمہ وتفسیر کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ خود ان کی تفسیر کے کئی مقامات سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ جہاں تفسیر میں تاریخی واقعات کا ذکر ہے اُن کے لئے حضرتؒ نے تحریر کر دیا کہ جو حضرات تفصیلی مطالعہ کا ذوق وشوق رکھتے ہوں وہ مولانا عبدالحقؒ کی تفسیر حقانی کا مطالعہ کر لیں کیوں کہ خود مولاناؒ نے ان کے حوالے دیتے ہوئے تاریخی واقعات کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مولانا تھانویؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گذرا، علاوہ اس تفسیری خدمت کے ان کا مقصد اکثر تصانیف کا یہ رہا کہ وقت کا تقاضا اور مصلحت، ضرورت کیا ہے۔ ان کی دور رس نگاہ امتِ محمدیہ کے مزاج اور بگڑے ماحول پر بھی تھی، اسی لئے انہوں نے زمانے کی رفتار کو دیکھتے ہوئے اپنی علمی صلاحیت اور ذہانت کے ظاہری ذریعہ سے مسلمانوں کی نباضی اتنے صحیح طریقہ سے کی کہ آپ کو حکیم الامتؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جہاں اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی، وہاں انہوں نے خاص طور سے علم تفسیر جیسے اہم موضوع پر بھی اپنی صلاحیت اور علمیت کا گہرا اثر چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے قبل علماء کی دقیق تفاسیر موجود ہونے کے باوجود ان کے بعد کے علماء نے جب بھی ہندوستان کی اردو تفاسیر و ترجمہ قرآن کی تاریخ کا ذکر کیا مولانا اشرف علیؒ کی اس تفسیری خدمت کو نظر انداز نہ کر سکے اور فراخ دلی کے ساتھ ان کے اس کارنامہ کا ذکر کیا جیسا کہ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بھی مولانا تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر قرآن کا ذکر موجود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشرف علی تھانویؒ کا یہ ترجمہ ومختصر تفسیر بھی اپنے مواد و بیان کے لحاظ سے بہت پسند کی جاتی ہے۔

اصول تفسیر اور تفسیری خصوصیات

حضرت تھانویؒ نے اپنے رسالہ ''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' میں ترجمہ قرآن کرنے والے کے لئے چند شرائط مرتب فرمائی ہیں، جس کا عنوان انہوں نے ''خلاصۂ فتویٰ جامع شرائط مترجم'' رکھا ہے، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- ترجمہ کرنے والے کو عربی زبان سے واقف ہونا چاہئے اتنی اچھی طرح کہ عربی سے ترجمہ کر سکے براہِ راست، کیوں کہ ترجموں کے ذریعہ ترجمہ کرنے سے اصلی معنوں سے دوری ہو جاتی ہے۔

۲- دوسرے فنون عربی یعنی صرف، نحو، بلاغت ولغت میں مہارت ہوتا کہ ترجمہ کرتے وقت صیغوں کو الفاظ کی ترتیب وتراکیب، اسالیب کلام و دقائق وضع کی رعایت کر سکے، کیوں کہ ان کے چھوڑنے اور نہ سمجھنے سے ترجمہ کرنے میں صریح غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

۳- تیسرے الفاظ کے لغوی معنی جاننے پر اکتفا نہ کرے بلکہ ترجمہ کرنے والے کے لئے اصطلاحات شرعیہ سے واقف ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ لغوی معنی میں کرنے سے متکلم کا مقصد بدل جاتا ہے۔

۴- چوتھے علم حدیث کو استادوں سے پڑھا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا مطلب بیان کرنے میں حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کردہ اسبابِ نزول میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہو۔

۵- پانچویں مجتہدین کے مذاہب کی معلومات ہوں تا کہ (فقہیات کی تفسیر میں اجماع کی مخالفت نہ کرے) قرآن کے فقہی مسائل کے سلسلہ میں اجماعِ امت سے اختلاف نہ ہو۔

۶- چھٹا امر مولاناؒ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اہل سنت کے عقائد کی تفصیلات سے بخوبی واقف ہو، علم کلام جانتا ہو تا کہ تفسیر وترجمہ میں بدعات کے عقائد سے محفوظ رہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷- ساتویں چیز مترجم میں یہ ہونی چاہئے کہ وہ ان مفسرین کے اقوال سے واقف ہو جو علم تفسیر کی مکمل صحیح تحقیقات رکھتے ہوں اور ان ناسخ و منسوخ زیادت و حذف سے باخبر ہو جن کو ترجمہ و تفسیر میں نقل کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔

۸- آٹھویں علم اصول اور معقولات کم از کم اتنا جاننا چاہئے کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ عقلی اور شرعی تفسیری بیان میں دلائل پیش کر سکے۔

۹- نویں قرآن کریم کے مشکل اور جامع معانی رکھنے والے مقامات کی مشترک تاویل، تعارض کے دور کرنے یا نسخ کے بیان میں یا مبہم تفسیر یا مجمل تفصیل وغیرہ کی صورت میں ترجمے پر قناعت نہ کرے بلکہ حاشیے میں وضاحت کرتے ہوئے ایسے امور کو صاف بیان کردے۔

''مواضع مغلقہ و مجملہ میں تاویل مشترک یا رفع تعارض یا بیان نسخ یا تفسیر مبہم، یا تفصیل مجمل وغیرہ کے اظہار کے لئے صرف ترجمے پر اکتفا نہ کرے بلکہ بطور شرح یا حاشیے کے امور مذکورہ کی توضیح کردے۔

۱۰- دسویں ضرورت مترجم کے لئے یہ ہے کہ قرآن کا جس زبان میں ترجمہ کرنا مقصود ہو اس زبان پر پوری قدرت اور مشق ہو، صرف کتابی استعداد کو کافی نہ سمجھے۔ بغیر قدرت زبان کے قرآن کے الفاظ کا صحیح اور اچھا ترجمہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوگی۔

۱۱- علمی استعداد کے علاوہ مولاناؒ کی دور اندیش نگاہ نے ان صلاحیتوں کو بھی ضروری سمجھ کر پیش کر دیا ہے جس کا تعلق ذاتی طور پر افعال و اعمال سے ہوتا ہے جیسا کہ وہ اس اصول میں تحریر کرتے ہیں کہ مترجم کے اعمال نیک ہوں، عقائد صحیح ہوں، تاکہ ترجمہ و تفسیر میں ایسے خیالات کارفرما نہ ہوں جو بدعت کے نزدیک ہو جائیں یا اپنے میلانِ طبیعت کا ساتھ دیں تاکہ خلاف دیانت، خیانت سے بچا رہے۔

۱۲- دوسری خوبی اس میں یہ ہو کہ وہ اپنے دور کے قابلِ اعتبار علماء کی نظر میں مقبول ہو۔

۱۳- ترجمہ کرنے والا ذہین ہو تاکہ اختلافی مسائل کو اور اقوال کو ذاتی صلاحیت، ذہانت کی وجہ سے بھی صحیح طریقہ سے پیش کر سکے اور باریکیوں کا اندازہ کرتے ہوئے مخالفین

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے شکوک کو معقول طریقہ سے دور کر سکے۔

۱۴- ایک اہم ضرورت کا احساس یہ بھی دلایا کہ قرآن کا ترجمہ قرآن کی آیات کے ساتھ ساتھ کیا جائے، کیوں کہ صرف تراجم کے شائع ہونے سے اصلی عبارت کے زائل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

۱۵- مترجم کے مزاج میں تکبر اور خودرائی نہیں ہونی چاہئے تا کہ کسی مقام پر شرح صدر نہ ہونے پر علماء سے پوچھے اور ان کی خدمت میں جانے کو خلافِ شان نہ سمجھے اور اپنی کوتاہی معلوم ہونے پر اصلاح کر سکے۔[1]

ان تمام ضرورتوں کو حضرت تھانویؒ نے بہت تاکید سے بیان کیا اور ضروری قرار دیا ہے۔ ترجمہ یا تفسیر کرنے والا اگر ان سب باتوں پر کاربند نہ ہوگا تو ترجمہ کرنے میں جلدی کرنے کی وجہ سے گنہگار، خطا کار ہوگا۔ لہٰذا ان کے نزدیک ان سب شرائط اور ذمہ داریوں کو پورا کرنا بہت ضروری ہے ورنہ قرآن کا ترجمہ ناقص اور نامکمل ہوسکتا ہے اور مندرجہ بالا جتنی باتیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے دو ایک یا کچھ زائد اوصاف کا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ تقریباً ان تمام شرائط کی پابندی پر ہی ترجمہ و تفسیر کی صحت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

بیان تفسیر میں حضرت تھانویؒ کے اصول

حضرت تھانویؒ نے اپنی تفسیر میں جن اصول کی رعایت کی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- پہلا اصول: اگر تفسیر کسی روایت کی بنیاد پر کی گئی ہے تو کوشش کی گئی ہے کہ وہ روایت صحیح ہو لیکن اگر قرآن سے تفسیر واضح تھی تو اس کی مزید وضاحت یا تائید میں پیش کی جانے والی حدیث کی صحت پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

۲- دوسرا اصول: شبہات کو نفس تفسیر سے بغیر شبہ کو واضح کئے رد کر دیا ہے۔ صرف ان شبہات کا ذکر کر کے جواب دیا ہے جن کی بنیاد عقلی یا نقلی دلیل پر تھی۔

۳- تیسرا اصول: آسمانی مذاہب سے متعلق تفسیر حقانی سے لئے گئے ہیں (اس لئے کہ اس موضوع پر بقول مصنف ان کا مطالعہ نہیں تھا)۔

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی، ''اصلاح ترجمہ دہلویہ''، مطبع انتظامی کانپور، ۱۹۱۱ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴- چوتھا اصول: جو مضامین متعدد جگہ آئے ہیں ان پر کسی جگہ مفصلاً لکھ کر بقیہ مقامات پر حوالہ دیا گیا ہے۔

۵- پانچواں اصول: مفسرین کے مختلف اقوال کی صورت میں روایت اور ذوق عربیت کے جو زیادہ قریب نظر آیا، صرف اسے نقل کر دیا جہاں دونوں برابر برابر تھیں، وہاں دونوں نقل کر دیں۔

۶- چھٹا اصول: تفسیر میں منطقی نتائج کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔

۷- ساتواں اصول: جہاں کسی کتاب سے من وعن عبارت لی ہے وہاں صرف نام لکھ دیا ہے۔ جہاں متن میں تغیر کر کے لیا ہے یا صرف مفہوم اخذ کیا ہے، وہاں کتاب کے نام کے ساتھ لفظ ''من'' لگا دیا ہے۔

۸- آٹھواں اصول: نفس ترجمہ کے علاوہ جس مضمون کو بہت ضروری دیکھا اس پر ترجمہ کی وضاحت موقوف ہے یا کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے تو ''ف' لکھ کر واضح کر دیا۔

۹- نواں اصول: لطائف، نکات، حکایات اور فضائل کے ذریعہ تفسیر کو طویل نہیں کیا۔ مقصود صرف حل القرآن رکھا گیا۔

۱۰- دسواں اصول: تفسیر اس طرح ہے کہ مضمون کا ربط خود ظاہر ہو جائے اور کہیں ربط لکھ کر بھی واضح کیا ہے۔

۱۱- گیارہواں اصول: اختلافی مذاہب میں صرف مذہب حنفی کو لیا گیا ہے، دوسرے مذاہب کو ضرورت کے تحت حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔

۱۲- بارہواں اصول: علمی مباحث قراءت، لغت، بلاغت وغیرہ کی زبان عربی رکھی ہے تا کہ عوام اس طرف ملتفت ہو کر مشوش نہ ہوں۔

۱۳- تیرہواں اصول: تفسیر میں جہاں استاذی لکھا ہے وہاں مراد مولانا محمد یعقوب ہیں، جہاں مرشدی لکھا ہے وہاں مراد مولانا امداد اللہ مہاجر مکی ہیں۔ جہاں کچھ نہیں لکھا وہاں ذاتی یادداشت ہیں۔

۱۴- چودہواں اصول: ہر سورت کا ربط بالالتزام دیا گیا ہے اور آغاز سورہ میں سورۃ کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ دے دیا گیا ہے۔

۱۵- پندرہواں اصول: مسائل فقیہ کلامیہ پر اتنی ہی تحقیق کی ہے جس پر فہم کلام اللہ موقوف ہے۔

۱۶- سولہواں اصول: جن آیات کی تفسیر میں حدیث مرفوع ہے وہاں کسی کا قول نہیں لیا ہے۔[1]

حضرت تھانویؒ کے ترجمہ وتفسیر کی خصوصیات

حضرت تھانویؒ نے اپنے ترجمے میں جن امور کی رعایت کی ہے وہ ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ترجمہ آسان زبان میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ تحت لفظی کی بھی رعایت کی ہے جیسا کہ شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے ترجمے میں کیا ہے۔

(۲) ترجمے میں خالص محاورات استعمال نہیں کئے کیوں کہ ہر جگہ کے محاورات مختلف ہوتے ہیں اس لئے ''کتابی'' زبان پسند کی ہے۔

(۳) نفیس ترجمے کے علاوہ جس مضمون کو بہت ضروری سمجھا اس کی تشریح لفظ (ف) بنا کر کردی ہے لیکن اس اپنی تشریح کرنے میں بھی اُن کے مزاج میں اس درجہ احتیاط تھی کہ تحریر کرتے ہیں:

> ''باوجود اتنی رعایت کے بھی غیر علماء اور طلباء کے لئے بہت سے مقامات میں علماء سے استغناء نہیں ہوسکتا، لہٰذا مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے حضرات صرف اپنے مطالعہ وفہم پر اعتماد نہ کریں بلکہ حسبِ ضرورت علماء یا منتہی طلبہ سے اس کو سبقاً سبقاً سمجھ کر پڑھ لیں، ورنہ اقل درجہ اتنا تو ضرور ہے کہ مطالعہ کے وقت جہاں ذرہ برابر بھی اشتباہ رہے وہاں خود غور کر کے نہ نکالیں بلکہ پنسل سے نشان کر کے علماء سے وہ عبارت دکھلا کر حل کرلیں، بدون اس کے احتمال بلکہ یقین غلط فہمی کا ہے۔''[2]

---

[1] مقدمہ بیان القرآن [2] مقدمہ مکمل بیان القرآن، جلد اول، ص:۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

علاوہ ازیں حضرتؒ نے اس میں جن امور کی رعایت کی ہے اس تعلق سے خود حضرت فرماتے ہیں کہ:

(۱) اول قرآن مجید کا آسان ترجمہ کیا ہے جس میں قابلِ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ تحت لفظی کی خاص رعایت ہے۔

(۲) دوم ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کئے گئے۔ دو وجہ سے: اول تو میں قصباتی ہوں، محاورات پر عبور نہیں۔ دوسرے یہ کہ محاورات ہر مقام پر جدا جدا ہوتے ہیں۔ اگر دہلی کے محاورات لئے جاتے تو اہل لکھنؤ نہ سمجھتے۔ یہاں کے محاورات وہاں نہ سمجھتے۔ ان دونوں کے محاورات حیدرآباد اور مدراس والے نہ سمجھتے۔ غرض ایسے محاورات عام فہم نہیں ہوتے اور اردو ترجمہ کم از کم ایسا تو ہو کہ قریب قریب ہندوستان کے سب حصے تو اس کو سمجھ جاویں، اس لئے کتابی زبان لی ہے کہ فصاحت کے ساتھ اس میں سلاست بھی ہے۔

(۳) سوم: نفس ترجمہ کے علاوہ جس مضمون کو بہت ضروری دیکھا اس پر توضیح ترجمہ کی موقوف ہے، یا خود کوئی شبہ قرآن کے مضمون سے ظاہراً پیدا ہوتا تھا اس کا جواب یا مضمون قرآنی کسی مشہور تحقیقات کے خلاف معلوم ہوتا تھا، اس کی تحقیقی یا اسی قسم کی کوئی ضروری بات ہوئی اس کو ''ف'' بنا کر بڑھا دیا، باقی لطائف ونکات یا طویل وعریض حکایات یا فضائل یا بہت سے مسائل وغیرہا سے تفسیر کو طویل نہیں کیا گیا۔ غرض یہ مضامین کا جمع کرنا مقصود نہیں بلکہ محض حل قرآن ورفع ضرورت۔ لیکن باوجود اتنی رعایت کے بھی غیر علماء وطلباء کے لئے بہت سے مقامات میں علماء سے استغناء نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے حضرات صرف اپنے مطالعہ وفہم پر اعتماد نہ فرمائیں بلکہ حسبِ ضرورت علماء یا منتہی طلباء سے اس کو سبقاً سبقاً سمجھ کر پڑھ لیں، ورنہ اقل درجہ اتنا تو ضرور ہے کہ مطالعہ کے وقت جہاں ذرہ برابر بھی اشتباہ ہو وہاں غور کر کے خود نہ نکال لیں بلکہ پنسل سے نشان کر کے علماء سے وہ عبارت دکھلا کر حل کر لیں اور بدوں اس کے احتمال بلکہ یقین غلط فہمی کا ہے۔

(۴) چہارم: جس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں ان میں جس کو ترجیح معلوم ہوئی اس کو لے لیا بقیہ سے تعرض نہیں کیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۵) پنجم: مطلب قرآن کی تفسیر کہیں تو اس طرح کی ہے کہ مضمون کا ارتباط خود ظاہر ہو جائے اور کہیں ایک سرخی ربط کی لکھ کر اس کی تقریر کر دی گئی ہے۔

(۶) ششم: اختلافات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی لیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب بشرطِ ضرورت حاشیے میں لکھ دیے گئے ہیں۔

(۷) ہفتم: چوں کہ نفع عام کے ساتھ افادۂ خواص کا بھی خیال آ گیا، اس لئے ان کے فائدے کے واسطے ایک حاشیہ بڑھایا ہے جس میں مکیت و مدنیت، سورۃ و روایات وغیرہ مشہور لغات وضروری وجوہ بلاغت و منطق ترکیب و خفی الاستنباط فقہیات و کلامیات و اسبابِ نزول و روایات و اختلاف قراءت مغیرہ و ترکیب یا حکم و توجیہ و ترجمہ و تفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہیں جس کو متوسط درجہ کا طالب علم بے تکلف سمجھ سکتا ہے۔ یہ حاشیہ درس و تدریس کے وقت بہت کام آ سکتا ہے۔ اس حاشیہ کی عربی عبارت اس لئے تجویز کی ہے کہ عوام اس کو دیکھنے کی ہوس ہی نہ کریں ورنہ جب زبان سمجھتے اور مضامین نہ سمجھتے بہت پریشان ہوتے۔

اب اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ تفسیر مختصر یا ترجمہ مطول کہہ دیجئے عوام و خواص سب کے کام کا ہوگا اور اگر اہل علم اول صرف قرآن کا مطالعہ کر کے بطور خود غور کریں اور اس میں جو امور ذہن میں مجمل رہیں یا جو اشکالات واقع ہوں ان کو مستحضر کر کے پھر اس تفسیر کو ملاحظہ فرماویں تو انشاء اللہ تعالیٰ دوبالا لطف اور حظ حاصل ہو۔[1]

گویا ان سات امور کے ضمن میں حضرتؒ نے اپنے بیان القرآن کا پورا نہج بیان فرما دیا۔ ان تمام کاوشوں کے ساتھ کچھ امور کا لحاظ انہوں نے آسانی سے سمجھنے کے لئے کیا اور رکھا ہے جن کا ذکر کر دینا مناسب ہے۔

حضرت نے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ ہر سورت کا اور آیت کا اول سے آخر تک ربط قائم رکھتے ہوئے ترجمہ و تفسیر سے قبل بعض مشکل مضامین کا شروع ہی میں تقریر کے طور پر ایک خلاصہ پیش کر دیا ہے تا کہ آئندہ آنے والے مضمون کے ترجمہ و تفسیر میں کوئی دقت نہ ہو۔ دوسرے مضمون سے قبل اس کا ایک عنوان مضمون کی مناسبت سے سرخی کے طور پر لکھ دیا ہے

[1] خطبہ تفسیر بیان القرآن، جلد اوّل، ص: ۶/۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس کی وجہ سے بہت سی ذہنی پیچیدگیاں ساتھ ساتھ دور ہو جاتی ہیں۔

تیسرے فقہیات میں صرف حنفی مذہب سے استدلال کیا ہے اور دوسرے مذاہب ضرورت کی بناء پر حوالے کے لئے حاشیے میں دیدیئے ہیں۔

ان تمام کے علاوہ بھی کچھ اور اصول جو تقریباً انیس کے قریب ترتیب وار مولاناؒ نے تحریر کئے ہیں ان کا تعلق ترجمہ سے نہیں بلکہ تفسیر سے زیادہ ہے اس لئے اس مضمون میں ان کی وضاحت سے گریز کرتے ہوئے صرف ان امور کو پیش کر دیا ہے جن کا تعلق ترجمے سے ہے۔"

بعضے تراجم قرآن، ان میں سے بعض کتابیں اول سے پاس رہیں اور بعض کچھ لکھنے کے بعد آئیں اور بعض بالکل اخیر میں آئیں۔

چنانچہ اس کی تفصیل و تعیین معلوم ہو سکتی ہے اور ضرورت کے وقت کتب حدیث و فقہ، سیر کی مراجعت بھی کی جاتی تھی۔

(۱) قرآن مجید کے اول سے آخر تک ہر سورت کا اور ہر آیت کا ربط ماقبل کے ساتھ نہایت سہل اور قریب تقریر میں بالالتزام بیان کیا گیا۔ اکثر سورتوں کے شروع میں ان سورتوں کا خلاصہ بھی بیان کر دیا گیا۔

(۲) جتنی آیتوں کی تفسیر بوجہ اتحاد یا تقارب یا تناسب مضامین کے ایک جگہ مجتمع کر کے لکھی گئی ہے اُن کے اول میں ان مضامین کا ایک جامع عنوان بطور سرخی کے لکھ دیا گیا ہے جس سے اجمالاً ان تمام آیات کا خلاصہ ذہن میں مستحضر ہونے کے بعد مفصل تفسیر سے جو کچھ نفع اور حظ حاصل ہوگا اس کو ناظرین خود دیکھیں گے۔ پھر ان آیات کی تفسیر ایسے طور پر کی گئی ہے کہ سب ایک مسلسل تقریر معلوم ہوتی ہے۔

(۳) جن روایات پر تفسیر کو مبنی کیا گیا ہے ان میں التزام کیا گیا ہے کہ وہ صحیح روایتیں ہوں، البتہ جہاں تفسیر کی روایت پر مبنی نہ تھی اور لفظ قرآن فی نفسہٖ بھی اس وجہ کو متحمل تھا تقویت احتمال کے لئے اشتراط صحت میں تسامح کیا گیا۔

(۴) شبہات کے جواب دینے میں صرف ان شبہات کو خاص کیا ہے جن کا منشا کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

دلیل صحیح تھی، جیسے کوئی آیات یا کوئی حدیث یا کوئی امر ثابت بالعقل یا بالحس اور جن کا منشا کوئی امر صحیح نہیں ہے بلکہ وہ شبہہ خود دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کے جواب میں چوں کہ طلبِ دلیل کافی ہے اس لئے اس سے تعارض نہیں کیا گیا اور بہت سے شبہات نفیس تقریر ترجمہ سے مندفع ہو گئے ہیں۔

(۵) کوئی مضمون ضرورت سے زائد نہیں لکھا مگر شاذ و نادر کسی خاص فائدے کے لئے۔

(۶) ترجمے میں ترکیب کی رعایت زیادہ کی گئی ہے بنسبت اتباع محاورہ کے۔

(۷) چوں کہ احقر کو مباحث متعلقہ کتب سماویہ سابقہ پر بالکل نظر نہیں ہے اس لئے ایسے مضامین کو تفسیر حقانی سے نقل کر دیا گیا ہے۔[1]

(۸) غالباً تمام تفاسیر میں دو یا تین مقام ایسے ہیں وہاں جیسا جی چاہتا تھا ویسا شرح صدر نہیں ہوا۔ اس موقع پر احقر نے اس کی تصریح کر دی ہے تا کہ اگر کسی کو اس سے اچھی تقریر و تفسیر میسر ہو جائے اسی کو راجح سمجھے۔

(۹) مسائل فقیہ و کلامیہ کی ہر آیت کے متعلق اسی قدر تحقیق پر اکتفا کیا گیا ہے جس پر تفسیر قرآن کی موقوف تھی۔

---

[1] تفسیر حقانی (تفسیر فتح المنان) مولانا عبدالحق صاحبؒ کی لکھی ہوئی تفسیر جو درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔ اس تفسیر میں روایت کو کتب حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علمائے محققین کی کتب سے نہایت احتیاط سے جمع کیا ہے اور چوں کہ اصل مقصد کلام الٰہی کا لوگوں کے سامنے واضح کرنا تھا، اس لئے اس کو سہل بنانے کے لئے چند امور کا خیال رکھا ہے۔ (۱) قرآن کے اصلی معانی کو اردو میں تحریر کیا ہے۔ (۲) قرآن کی آیتوں اور سورتوں کا شانِ نزول صحیح روایات کے حوالے سے لکھا ہے۔ (۳) احکام کی آیات میں پہلے مسائل منصوصہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر مجتہدین کے اختلاف اور ان کے دلائل کو بیان کیا ہے۔ (۴) ایک ہی قراءت کے موافق وجہ اعراب کو بیان کیا ہے، زیادہ طوالت اور حوالوں کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے ان سے اجتناب کیا ہے۔ (۵) قرآن کریم میں جو واقعات صحیح روایات یا قدیم کتب سے ثابت ہیں یا خود کئی جگہ قرآن میں اس کا ذکر ہے اس کو بیان کیا ہے۔ (۶) مختلف وجوہات میں سے کسی ایک کو قوی سمجھ کر ذکر کیا گیا ہے۔ (۷) بلاغت و معانی سے متعلق نکاتِ قرآن کو ظاہر کیا گیا ہے۔ (۸) کوئی حدیث بغیر مستند کتب صحاح ستہ وغیرہ کے نہیں لائے۔ (۹) آیات میں ربط کا اہتمام کیا گیا ہے۔ (۱۰) مخالفین کے ان شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے جو تاریخی واقعات یا قیامت سے متعلق تھے ان کا جواب تحقیقی طریقہ سے دیا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۰) جو مضامین قابل زیادہ تفصیل و تحقیق کے کئی جگہ آئے ہیں ان کو الگ الگ لکھ کر دوسری جگہ اس پہلی جگہ کا حوالہ دے دیا گیا ہے یا پہلی جگہ اس دوسری جگہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(۱۱) ہر جگہ تفسیر میں اتباع سلف صالح کیا ہے۔ متاخرین کے اقوال کو جو سلف کے خلاف تھے نہیں لیا۔

(۱۲) جہاں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں ان میں سے جس کو روایت یا ذوقِ عربیت سے راجح سمجھا صرف اسی کو اختیار کر لیا گیا، سب کو نقل نہیں کیا، البتہ اگر کہیں کہیں دونوں وجہیں متساوی معلوم ہوئیں دونوں کو نقل کر دیا ہے۔

(۱۳) تقریر مدلول آیات میں قواعد میزانیہ منطقیہ کی پوری طور سے رعایت کی گئی ہے جس کا لطف اذکیاء اور علماء کے جی سے پوچھنا چاہئے۔

(۱۴) مجھ کو معلوم ہے کہ کہیں کہیں تقریر زیادہ تنگ ہے لیکن اس کی کفایت میں کوئی خلل نہیں، البتہ کم استعداد لوگوں کو اہل علم سے اس کے حل اور توضیح کی حاجت ہوگی۔ اس طرح بعض جگہ ایسے مضامین بھی آ گئے ہیں کہ ان کا سمجھنا مخصوص اہل علم کے ساتھ ہے اس لئے میرے نزدیک مطلقاً ضروری ہے کہ اس تفسیر کو اول سے آخر تک کسی عالم سے سبق کے طور پر پڑھ لیا جائے اور جو مضمون اس پر بھی سمجھ میں نہ آئے اس کو علوم درسیہ پر موقوف سمجھا جائے اور یہ امر یقینی ہے کہ اس سے پورا لطف حاصل ہونے کی شرط علوم متعارفہ میں مہارت اور اس میں بھی کسی مقام پر تحریر و مراجعت تفاسیر کے بعد اس تفسیر کو ملاحظہ کرنا ہے۔

(۱۵) اور بہت سے امور ضروریہ و لطیفہ ترجمہ و تفسیر میں ایسے ملیں گے جو بیان سے خیال میں نہیں آ سکتے، مطالعہ پر ان کو حوالہ کیا جاتا ہے۔

(۱۶) لطائف اور نکات جن کو تفسیر میں دخل نہ تھا وہ مقصود بالقرآن تھے بالکل مہجور کر دیئے گئے مقصود اصلی حل قرآن کو رکھا گیا ہے۔

(۱۷) جن آیات کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے اس کے مقابلے میں کسی کا قول نہیں لیا گیا۔

(۱۸) چوں کہ التزامات مذکورہ کی ضرورت خیال میں تدریجاً آتی رہی اس لئے ممکن ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ اول کے اجزاء میں بعض التزامات کی رعایت متروک ہوگئی ہو، نیز چوں کہ اس کی ۱۲ر جلدوں میں سے جن میں ہر جلد ڈھائی پارہ کی ہے لیکن تحقیقاً کہیں بوجہ قرب سورۃ کے کسی قدر کم یا کسی قدر زیادہ۔ اول جلد متصلاً نہیں لکھی گئی بلکہ درمیان فترات وقفات اتفاقیہ واقع ہوتے رہے، اس لئے خود اس کے اجزاء میں اور پھر اس میں اور بقیہ جلدوں میں طرز وضع کے اعتبار سے کسی قدر تفاوت بھی ہے جو نظر غائر سے معلوم ہوسکتا ہے۔

(۱۹) باقی جو مضامین حواشی عربیہ میں لکھے ہیں وہ مخصوص ہیں اہلِ علم کے ساتھ ان کے التزامات پر متنبہ کرنے کی اس مقام پر حاجت نہیں، باقی ان سب مفروضات کے بعد جو ناظرین کی مصلحت سے ظاہر کئے گئے ہیں اپنی خاص حالت کے اعتبار سے یہ معروض ہے۔[1]

حضرت تھانویؒ کا تفسیری مزاج

مذکورہ بالا امور واصول اور ملاحظات کے تناظر میں حضرتؒ کی تفسیری خدمت میں محنت اور غور وفکر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرتؒ نے یہ خدمت عوام وخواص دونوں کی افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت جاں فشانی اور لگن کے ساتھ انجام دی ہے۔ ہر تفسیر میں مفسر کا ایک اپنا خاص مزاج اور طریقۂ کار کی گہری چھاپ موجود ہے جو کہیں تفسیر میں تاریخی واقعات کی تفصیل اور طوالت قرآن کریم کے اصلی معانی ومفہوم پر غالب آجاتی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحق صاحبؒ کی تفسیر حقانی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض تفسیریں زمانے اور وقت کی ضرورت، علوم سائنس اور مادیت کے شواہد اور دلائل پیش کرنے کی بے پناہ کوشش کی وجہ سے قرآن کریم کے مضامین اور عقائد پر اثر انداز اس حد تک ہوئیں کہ حضرات اہل علم نے بھی اس گرانی کو محسوس کیا جیسا کہ سرسیدؒ کی تفسیر جو باوجود نامکمل ہونے کے لحاظ سے اس قدر اہم بھی ہے کہ جو تحقیقات اور معلومات سرسیدؒ نے دوسرے مذاہب کی پیش کی ہیں وہ دوسری تفسیروں میں نہیں ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو تفاسیر میں سرسید کی تفسیر کو غیر اقوام اور تعلیم یافتہ طبقے میں جو دورِ حاضر کے علوم کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھنا چاہتے ہیں ایک خاص مقام حاصل ہے،

---

[1] بیان القرآن، اداو تفسیر القرآن، دہلی، ج ۱، ص: ۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے مقابلے میں حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''مکمل بیان القرآن'' جو سرسید کی تفسیر کے کافی عرصہ کے بعد لکھی گئی اس دور کے اُن لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے جو مشکل عربی یا اردو سے ناواقف ہیں کیوں کہ مولانا تھانویؒ کی تحریر کے مطابق انہوں نے ترجمہ وتفسیر میں کتابی زبان لی ہے۔ علاوہ ازیں حاشیہ کے جو عربی میں ہے وہ انتہائی جامع اور اہمیت کا حامل ہے۔

تفسیر کے لئے عناوین کا اہتمام

مثلاً حضرت نے ہر آیت کے ترجمہ وتفسیر کے لئے ایک عنوان مقرر کر دیا ہے جیسے آیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔[1]

اس کی سرخی قائم کی ہے۔ ''بطلانِ ثواب بہ من واذیٰ'' ترجمہ: (اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو)

اس آیت سے قبل گزشتہ آیت قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى. وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۔[2]

(ترجمہ مولانا تھانوی، ص ۱۷) (مناسب بات کہہ دینا درگذر کرنا ہزار درجہ بہتر ہے ایسی خیرات سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں حلیم ہیں)

ترجمہ کے بعد مولاناؒ نے ان آیات کی تفسیر کی وضاحت سے آگے اس طرح کی:

ناداری کے وقت جواب میں معقول ومناسب بات کہہ دینا اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلائے یا اصرار سے تنگ کرے تو اس سے درگذر کرنا ہزار درجہ بہتر ہے ایسی خیرات دینے سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ خود غنی ہیں، کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں جو کوئی خرچ کرتا ہے اپنے واسطے پھر آزار کس بنا پر پہنچایا جائے اور آزار دینے پر جو فوراً سزا نہیں دیدیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حلیم ہیں۔

ف: نادار کی قید اس لئے لگائی ہے کہ استطاعت کے وقت حاجت مند کی اعانت نہ کرنا خود برا ہے، البتہ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دیدینا اور سائل کی سختی کو ٹال دینا

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۶۴ [2] سورہ بقرہ، آیت: ۲۶۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوں کہ موجب ثواب ہے اس لئے اس کو خیر فرمایا گیا اور آزار پہنچانا حرام ہے اور موجب عذاب ہے۔[1]

اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت: وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ.[2]

عنوان قائم فرماتے ہیں کہ ''بیان عادت اہل کتاب رقسمی را از تحریف: (ترجمہ: اور بے شک ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں تا کہ تم لوگ اس (ملائی ہوئی چیز) کو بھی کتاب کا جز سمجھو حالاں کہ وہ کتاب کا جز نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ (لفظ یا مطلب) خدا کے پاس سے ہے حالاں کہ وہ (کسی طرح) خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں)

اس کی تفسیر میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

''اور بے شک ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں (یعنی اس میں کوئی لفظ یا کوئی تفسیر غلط ملا دیتے ہیں اور غلط پڑھنا کج زبانی کہلاتا ہے) تا کہ تم لوگ (جو اس کو سنو تو) اس (ملائی ہوئی چیز) کو (بھی) کتاب کا جزو سمجھو حالاں کہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور (صرف دھوکہ دینے کے لئے اس عملی طریق ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی) کہتے ہیں کہ یہ (لفظ یا مطلب) خدا تعالیٰ کے پاس سے (الفاظ یا قواعد نازل ہوئے ہیں ان سے ثابت) ہے کہ حالاں وہ (کسی طرح) خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں (پس ان کا جھوٹا ہونا لازم آ گیا، آگے تاکید کے لئے اس کی پھر تصریح ہے) اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (اپنا جھوٹا ہونا دل میں خود بھی وہ جانتے ہیں۔ ف: ممکن ہے کہ تحریف لفظی کرتے ہوں اور ممکن ہے کہ تفسیر غلط بیان کرتے ہوں۔ تحریف لفظی میں تو دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ لفظ ہی

[1] بیان القرآن، جلد اول، ص: ۱۸۸/۱۸۹ [2] سورہ آل عمران، آیت: ۷۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہ ہے اور غلط تفسیر میں یہ تو نہیں ہوتا لیکن یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر قواعد شرعیہ سے ثابت ہے اور قواعد شرعیہ کا منجناب اللہ ہونا ظاہر ہے۔ ایک صورت میں صورۃً جزو ہونے کا دعویٰ ہوگا، ایک صورت میں معنی جزوِ کتاب ہونے کا دعویٰ ہوگا، بایں معنی کہ جزو ماثبت بالشرع ہے اور ہر ثابت بالشرع ثابت بالکتاب ہے کیوں کہ دوسرے دلائل شرعیہ کا مظہر احکام ہوتے ہیں نہ کہ مثبت احکام اس لئے احقر نے ترجمہ میں دونوں احتمالوں کی رعایت رکھی۔ ملحدوں نے اس امت میں بھی حدیث میں تحریف لفظی بھی اور قرآن میں صرف تحریف معنوی کی ہے کیوں کہ الفاظ قرآنیہ محفوظ من اللہ ہیں۔"[1]

مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ وتفسیر وعنوان آج کے دور کے عام اردو سمجھنے والے کے لئے زبان ومعانی کے اعتبار سے ضرور مشکل ہوگا۔ اگر کوئی ذوق اور تھوڑی بہت استعداد سے سمجھ بھی لے تو حاشیہ میں جو تشریح مولاناؒ نے فرمائی ہے اس کو تو کم از کم بغیر کسی عالم یا متعلقہ ناگزیر علوم تک رسائی کے بغیر سمجھنا ضرور مشکل ہوگا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں ترتیب وار تمام احوال ضرورت وقت کے لحاظ سے اس طرح قائم کئے ہیں کہ تفسیر کا حق بھی ادا ہو جائے اور عوام و خواص کو ان کے ترجمے یا تفسیر کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ انہوں نے اپنے اسلاف کی تفاسیر کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم کے ان اصول اور قوانین کو ہی اپنایا ہے جن کے بغیر تفسیر یا ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ مثلاً عربی زبان پر قدرت اس کی گرامر سے واقفیت یعنی علم صرف اور علم نحو وغیرہ۔ اس کے ساتھ علم فقہ، علم قراءت احادیث پر گہری نظر ہو۔ لہٰذا قرآن کریم کے ہر مفسر کے لئے ان باتوں کا جاننا ضروری ہے اس لئے قدیم تفاسیر کے اور حضرت تھانویؒ کے وضع کردہ اصول میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ البتہ کہیں کہیں مولاناؒ نے دیگر مفسرین کے اصول کے علاوہ کچھ اضافہ اور تبدیلی کی ہے۔ اس کی وجہ بھی انہوں نے تحریر کر دی ہے۔ مثال کے طور پر آیات کا اردو ترجمہ کرتے وقت خالص محاورات استعمال نہیں

[1] بیان القرآن، جلد اول، ص: ۲۵۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

کئے کیوں کہ ہر جگہ کے زبان ومحاورات پر خود مولانا کو عبور نہ تھا۔ دوسرے ہر علاقے کی زبان ومحاورات میں کچھ فرق ضرور ہوتا ہے اس لئے ترجمہ وتفسیر کے سمجھنے کا دائرہ محدود ہوجاتا، لہٰذا مولاناؒ نے کتابی زبان استعمال کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہندوستان کے حصہ کا ہر طبقہ بہ آسانی سمجھ لے۔

علاوہ اردو کی ادبی زبان استعمال کی ہے۔ ٹکسالی محاوروں سے گریز کرتے تھے، اس لئے کہ ان کے سمجھنے والے مقامی اور محدود ہوتے ہیں۔ عام فہم ادبی زبان سے سارے اردو داں مستفید ہوسکتے ہیں۔ کسی آیت کے ترجمے یا تفسیر میں مختلف مفکرین کی آراء میں اختلاف ہوتو مولانا نے جس کو افضل سمجھا اسی کی رائے لکھ دی، ان کے ترجمے اور تفسیر میں تقابلی جائزہ نہیں ہے اس لئے کہ اس سے عوام کے شش وپنج میں پڑنے کا ڈر ہے۔

بیان القرآن کے حواشی

(۱) پہلا حاشیہ بین السطور ترجمہ کے بعد توضیحی ترجمہ دیا گیا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ توضیحی عبارت بریکیٹ میں دی ہے اور ترجمہ کو مزید نمایاں کرنے کے لئے اس پر لائنیں بھی کھینچ دی ہیں۔

(۲) دوسرا حاشیہ لفظ ''ف'' لکھ کر متعلقہ آیات کی مختصر تفسیر بیان کی گئی ہے۔

(۳) تیسرا حاشیہ تفسیر میں دو قسم کے عنوانات مستقلاً لگائے گئے ہیں، پہلا مضامین منصوصہ، قرآنیہ کا ہے یعنی اگر چند آیات ایک ہی مضمون کی ایک ساتھ آئی ہیں تو ان کا مستقل عنوان قائم کردیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیات ۲ تا ۳ ھدی للمتقین سے یوقنون تک مسلمانوں کی صفت بیان کی گئی ہے، اس کا عنوان ''صفات المؤمنین'' لکھ دیا ہے۔[1] دوسرا عنوان ''مضامین تفسیر'' کی بنیاد پر لگایا ہے مثلاً قصہ حضرت موسیٰ وغیرہ۔

(۴) چوتھا حاشیہ ہر صفحہ پر ''لغات'' کے نام سے ہے جس میں اہم لغات القرآن بیان کی گئی ہیں۔

---

[1] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۵) پانچواں حاشیہ ''بلاغت و فصاحت'' کے عنوان سے قائم ہے جس میں متعلقہ آیات کے حوالے سے بحث کی ہے۔

(۶) چھٹا حاشیہ ''ملحقات الترجمہ'' کے عنوان سے ہے جس میں ترجمہ کی وجہ اور ترکیب بیان کی ہے۔

(۷) ساتواں حاشیہ ''الکلام'' کے عنوان سے ہے جس میں متعلقہ آیات سے جو عقیدہ واضح ہوتا ہے اسے بیان کیا گیا ہے

(۸) آٹھواں حاشیہ ''الروایات'' کے عنوان سے ملتا ہے جس میں تفسیری روایات کے طرق و مروی عنہ کو بیان کیا گیا ہے۔

(۹) نواں حاشیہ تفسیری صفحہ کے بالکل نچلے حصہ میں ''حواشی'' کے عنوان سے قائم کیا ہے اس میں عموماً ترجمہ و تفسیر پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱۱) گیارہواں حاشیہ ''ربط'' کے عنوان سے قائم ہے یعنی ایک سورہ کا دوسری سورہ سے یا ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط، کہیں ضمناً بیان کر دیا ہے اور کہیں با قاعدہ عنوان دے کر بیان کیا ہے۔

(۱۲) بارہواں حاشیہ ''مسائل السلوک من کلام الملوک'' کے عنوان سے پہلے عربی میں پھر ''ورفع الشکوک ترجمہ مسائل السلوک'' کے عنوان سے اردو ترجمہ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۳۸ھ-۱۹۲۰ء میں لکھا تھا۔ ۱۳۳۹ھ-۱۹۲۱ء میں اس کا ترجمہ کر کے ۱۳۵۳-۱۹۳۵ء میں بیان القرآن کے حواشی پر منسلک کر دیا۔ اس میں تصوف کے مسائل کا قرآن سے اثبات کیا گیا ہے۔

(۱۳) تیرہواں حاشیہ ہر جلد کے آخر میں منسلک کیا گیا ہے۔ اس کا نام ہے ''وجوہ المشافی مع توجیہ الکلمات والمعانی'' اس میں قرآنی ترتیب پر ہر جلد کے متعلقہ قراءت سبعہ کی قراءتیں جمع کر دی ہیں، اصل کتاب عربی میں ہے، پھر اس کا ترجمہ بھی ہے، اسے بھی تفسیر کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔

(۱۴) چودھواں حاشیہ بعض رسائل مفیدہ کی شکل میں جلد کے آخر میں ملحق کر دیا گ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے مثلاً ''رسالہ رفع البناء فی نفع السماء'' اس میں ایک سائل کے سوال آسمان سے کیا فوائد ہیں؟ کا جواب دیا گیا ہے۔

(۱۵) پندرہواں حاشیہ یہ ہے کہ ہر جلد کے ساتھ دو فہارس منسلک ہیں۔ پہلی ''مضامین تفسیر'' کی دوسری ''مضامین منصوصہ قرآنیہ'' کی جس میں اوسطاً ہزار سے پندرہ سو تک عنوانات ہیں۔[1]

بیان القرآن کی دیگر خصوصیات

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ بیان القرآن میں قرآن پاک کا سلیس اور ایک بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط بھی کی گئی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں یعنی ترجمہ اور زبان فصیح ہے۔ اس ترجمہ میں ایک خاص بات یہ بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجموں کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی نہ ہونے پائے۔ اسی لئے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں۔ یقیناً یہ حضرت کی عظیم الشان خدمت ہے۔

اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے ترجمے میں عوام وخواص دونوں کی فہم کی رعایت رکھی ہے، نہ تو اس قدر سادہ سہل اور مخصوص طبقہ کی زبان میں ترجمہ کیا ہے کہ ایک عام کتاب اور قرآن کریم کے ترجمے کا فرق ہی نہ محسوس ہو اور نہ اس قدر پیچیدہ اور مشکل الفاظ سے مزین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک درمیانی درجہ کا طالب علم نہ سمجھ سکے۔ البتہ جہاں گہری اور دقیق علمی بحثیں ہیں جو علم کلام، فقہ، نحو، صرف، قراءت جیسے مسائل سے متعلق ہیں ان کی وضاحت کے لئے قدیم مفسرین کے حوالے دیئے ہیں اور اکثر

---

[1] برصغیر میں مطالعۂ قرآن، ص: ۲۱۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسے نکات انہوں نے حاشئے میں عربی زبان میں تحریر کئے ہیں صرف ان علماء کے لئے جو اُن کو پڑھ اور سمجھ سکتے ہوں کیوں کہ ان کا مقصد عوام کے لئے ایسے مسائل کے لئے نہ تھا جس کی وضاحت خود ان کی تحریر سے اس طرح ہوتی ہے:

''حاشئے کی عبارت عربی اس لئے تجویز کی ہے کہ عوام اس کو دیکھنے کی ہوس ہی نہ کریں، ورنہ جب زبان سمجھتے اور مضامین نہ سمجھتے بہت پریشان ہوتے۔''

لیکن ترجمے میں انہوں نے عوام کا بھی لحاظ کیا ہے، اس کے لئے لکھتے ہیں:

''یہ تفسیر مختصر یا ترجمہ مطول کہہ لیجئے عوام وخواص سب کے کام کا ہوگا۔''

تفسیر بیان القرآن: یہ اس وقت بارہ جلدوں میں قرآن پاک کی پوری تفسیر تیار ہوئی تھی، جس کو ڈھائی سال کی مدت میں مولانا نے تمام فرمایا تھا۔ لیکن اب یہ تفسیر عموماً تین جلدوں میں اور دو جلدوں میں بھی شائع ہو رہی ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل سابق میں آچکی ہے۔ اس تفسیر میں سلیس و بامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ، نیچے (ف) کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر میں روایت صحیحہ اور اقوالِ سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے۔ فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے۔ شبہات اور شکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔ صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہیں۔ تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ ذیل میں اہلِ علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کئے گئے ہیں اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات وحقائق اور معارف الگ لکھے گئے ہیں۔ مآخذوں میں غالباً سب سے زیادہ آلوسی بغدادی حنفی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقۃً مفید ہے کہ تیرہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف ومنتشر اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیریں صرف عوام اردو خوانوں کے لئے علماء لکھتے ہیں:

''یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی علماء کو تھا، لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انور شاہ صاحب نے اٹھا کر دیکھی تو فرمایا کہ میں یہ سمجھتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے، خود میرا خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے۔ ساتھ ہی ربط آیات وسور کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے اور اس کا لحاظ اس تفسیر میں بھی کیا گیا ہے مگر چوں کہ ربطِ آیات کے اصول سب کے سامنے یکساں نہیں، اس لئے وجوہِ ربط میں قیاس اور ذوق سے چارہ نہیں۔ اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح میں زمانہ کی خصوصیات اور ذوق ووجدان کا اختلاف بھی امر طبعی ہے۔ اس لئے اگر کلامِ سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہو تو تنگی نہ کی جائے گی۔''

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کا اگر بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر نسبتاً عوام کے علماء کے لئے زیادہ مفید ہے کیوں کہ عالمانہ تحقیق اور حوالے مولانا تھانویؒ نے اس طرح حاشیوں میں تحریر کئے ہیں کہ اس تفسیر میں عالمانہ رنگ ملتا ہے۔ عربی، فارسی کے الفاظ اور مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات کثرت سے استعمال کی گئی ہیں۔ خصوصاً دقیق عبارتوں کو جو عربی میں لائی گئی ہیں جب تک عربی سے کافی مناسبت نہ ہو سمجھنا مشکل ہے۔

اردو ترجمہ البتہ شگفتہ اور اردو کے محاورات کا لحاظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ جہاں ترجمہ میں وہ بین القوسین کوئی عبارت بڑھا دیتے ہیں اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں لیکن پورے طور پر مطلب وہی اخذ کر سکتا ہے جو مسئلہ متعلقہ پر گہری نظر رکھتا ہو۔ اس عبارت سے اعتراضات اور شبہات رفع ہو جاتے ہیں، لہٰذا بیان القرآن کا ترجمہ عوام کے لئے زیادہ نافع ہے بمقابلہ تفسیر کے کیوں کہ بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کی حقیقی تفسیر حدیث نبویؐ ہے۔ اس کے لئے کسی بھی تفسیر کو بالخصوص ایسی محققانہ تفسیر کو اسی وقت بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے جب کہ حدیث پر گہری نظر ہو اور سنت نبویؐ سامنے ہو۔ حدیث کے بعد جو دین کی سب سے بڑی بنیاد ہے وہ صحابہؓ کا تعامل ہے اور ان کے اقوال میں محدود رہ کر

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو آدمی تفسیر کو آگے دیکھے گا اُسے پوری طرح سمجھ بھی سکے گا اور اسی معیار پر تنقید بھی کر سکے گا، اس لئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحابہؓ کا عمل ایک مستقل حجت ہے، جس کے ذریعہ شریعت اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مثلاً اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک جس حدیث کو صحابہؓ کا تعامل بالخصوص اہل مدینہ کا عمل شامل ہو تو وہ اس حدیث کو راجح اور حجت قرار دیتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے تو جس حدیث کے ساتھ فتاویٰ صحابہؓ کثرت سے ہوں گے وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک تو صحابہؓ کا جماعتی عمل حجت ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ان کے جماعتی اقوال اور فتاویٰ حجت ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جب حدیث نبویؐ قرآن کریم کی حقیقی تفسیر ہے اور حدیثوں کا تعارض کے وقت سمجھنا صحابہؓ کے عمل اور قول کو سامنے لائے بغیر تفسیری بصیرت پیدا نہ کر سکے گا اور نہ تحقیق وتنقید کا حق ادا ہوگا۔ چوں کہ بیان القرآن میں حدیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ اس لئے اس تفسیر کو ایک محققانہ تفسیر کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ خصوصیت دوسری تفاسیر کے مقابلہ کے طور پر نہیں بلکہ تفسیر بیان القرآن کی اس خصوصیت کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ عموماً تفاسیر میں اکثر مسائل میں مختلف اقوال سامنے لائے جاتے ہیں جن سے آدمی کا ذہن تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ کس تفسیری قول کو راجح قرار دے اور کس کو مرجوح، لیکن تفسیر بیان القرآن میں بجائے مختلف اقوال کے ایک ہی متفقہ راجح قول بیان کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے قاری کا ذہن بجائے منتشر ہونے کے مطمئن ہو جاتا ہے۔

بیان القرآن میں معرفت کا رنگ بھی غالب ہے

منجملہ ان خصوصیات کے بیان القرآن میں علم کے ساتھ معرفت کا رنگ بھی موجود ہے کیوں کہ مولانا تھانویؒ عالم ہونے کے ساتھ عارف باللہ بھی تھے جو ان کے ذکر اور اور مجاہدات کا نتیجہ تھا، اس لئے یہ تفسیر عالمانہ بھی ہے اور عارفانہ بھی جو کمالِ تحقیق اور جامعیت کی شان ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوں کہ مسلمانوں پر شفقت اور ان کی اصطلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ ان کو گمراہیوں سے بچانے میں بجان و دل مساعی رہتے تھے۔ اردو میں شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے جو ترجمے شائع تھے وہ بالکل کافی تھے مگر نئے زمانہ میں پہلے سرسید نے بضمنِ تفسیر اور پھر ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے نئے اردو ترجمے شائع کئے تو انہوں نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کریں اور اولین توجہ زبان کی طرف رکھیں اور اقوالِ سلف کی پرواہ نہ کریں۔ اس طرزِ عمل نے علماء کو مضطرب کر دیا اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ حضرت نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت کے تحت لکھا، پھر اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور دیکھا اور اس کے اغلاط پر نشان زد کر ایک رسالہ اس ترجمہ کے اصلاح پر لکھا۔ جس کا نام اصلاح ترجمۂ دہلویہ ہے۔

قرآنیات سے متعلق حضرتؒ کے چند رسائل

مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرتؔ کو حیرت میں ڈال دیا اور انہوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر اعتراضات شروع کئے اور پھر اپنا ترجمہ چھپوایا، جس کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے، لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے کیوں کہ مرزا صاحب خود عربی سے نابلد تھے۔ بہرحال مولانا نے اس ترجمہ کے اغلاط کی اصلاح پر بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا، جس کا نام اصلاح ترجمۂ دہلویہ ہے۔

بعض معاصر علماء نے اردو میں قرآن شریف پر حواشی لکھے ہیں۔ جن میں ربط آیات کا خاص طور سے اظہار کیا گیا ہے اور آیات کو بتاویل و اعتبار سیاسی مسائل پر منطبق ہے اور اس تاویل و اعتبار میں کہیں کہیں حدِ اعتدال سے قلم باہر نکل گیا ہے۔ مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھیں، جن کا نام التقصیر فی التفسیر ہے۔

لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدوں میں "تفصیل البیان فی مقاصد

toobaa-elibrary.blogspot.com

القرآن'' کے نام سے جمع کیا ہے، اس کے مؤلف کی درخواست پر اس میں جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے ''الہادی للحیران فی وادی تفصیل البیان'' کے نام سے ظاہر فرمائے۔

مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا اور اکثر آیات کی تفسیر وتقریر کو تحریر میں ضبط کر لیا تھا۔ وہ ایک مجموعہ ہو گیا اور اس کا نام ''تقریر بعض البنات فی تفسیر بعض الآیات'' رکھا مگر وہ شائع نہ ہو سکا۔

رفع النباء فی نفع السماء **الذی جعل لکم الارض فراشاً والسمآء بناءً** کی تفسیر ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب میں ہے۔

احسن الاثاث فی النظر الثانی فی تفسیر المقامات الثلٰث: سورۂ بقرہ کی تین آیتوں کی تفسیر پر نظر ثانی فرمائی ہے۔

اعمالِ قرآنی: قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگوں کے تجربوں میں آئے، ان کو بیان کیا گیا ہے۔

خواص فرقانی: اس کا موضوع بھی وہی ہے، اس کا ایک اور حصہ ہے، جس کا نام آثار تبیانی ہے۔ ان رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تعویذ گنڈوں اور عملیاتِ سفلی سے بچا کر قرآنی آیات کے خواص کی طرف متوجہ کرنا ہے اور اس قسم کے بعض خواص احادیث میں بھی مروی ہیں۔

بیان القرآن سے استفادہ کرنے والے مفسرین

اس کے علاوہ اکثر مترجمین اور مفسرین نے مولانا کی بیان القرآن کی مدد سے اپنے ترجمے وتفسیر کی تکمیل میں مدد لی ہے جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو ان کے خلیفہ بھی تھے انہوں نے ''معارف القرآن'' کے نام سے ترجمہ قرآن وتفسیر کا کام کیا جس میں مولانا تھانویؒ کے اندازِ بیان اور طریقۂ کار کا عکس کافی حد تک نمایاں ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی کے ترجمہ میں بھی مولانا تھانویؒ سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب بھی ان کے خلفاء میں سے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہندوستان کے ء بہت سے مستند تراجم و تفاسیر مثلاً ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ و ترجمہ موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ، تفسیر حقانی یا تفسیر فتح المنان، مولوی عبدالحق صاحبؒ وغیرہ کے تراجم و تفاسیر کے ساتھ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اس اردو ترجمہ میں ایک مختصر اور جامع مدلل تفسیر ہے۔ اس میں مختلف زاویۂ نگاہ سے خواہ وہ لغوی ہوں یا نحوی، فقہی ہو یا کلامی ہو، مناسب انداز سے بحث کر کے مطمئن کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان کی دیگر تصانیف کے علاوہ تفسیر بیان القرآن ان کے کارناموں کا شاہکار ہے جس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے تفسیر کے حاشیوں اور حوالوں کا گہرے غور و فکر کے ساتھ تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہو۔ ان کا یہ علمی کارنامہ دراصل پورے اعتماد اور اطمینان کا حامل ہے۔ انہوں نے قرآن کے مشکل مقامات کی تصریح اور تشریح میں اپنی علمی کوششوں کے علاوہ شرحِ صدر و اطمینان قلب کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ اسی لئے انہوں نے تفسیر مکمل لکھنے کے بعد مقدمہ میں پہلی جلد کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ پورے قرآن کے ترجمے و تفسیر میں دو تین مقامات ایسے آئے ہیں جن کی تفسیر میں ان کو پورے طور پر شرح صدر نہ ہو سکا ہے۔ لہٰذا اس کی وضاحت و تشریح اگر کوئی دوسرا کر سکے تو ضرور کرے تاکہ دوسروں کو خواص ہوں یا عوام زیادہ نفع حاصل ہو سکے۔

مولانا تھانویؒ کی یہ خوبی ان کے ایک عظیم مصنف اور بہترین مفسر ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنی وسیع علمی تحقیقات کے باوجود وسعتِ نظر سے کام لیتے ہوئے دوسروں کے لئے موقع اور گنجائش کو بہتر سمجھتے ہیں اور اپنے کئے ہوئے علمی کام کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے۔

بیان القرآن میں شریعت، معرفت دونوں موجود ہیں

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ''علماء کی تین قسمیں ہیں: عالم باللہ، دوسرا عالم بامر اللہ اور تیسرا عالم باللہ و بامر اللہ۔''

یعنی ایک عالم وہ ہے جو اللہ کے قانون امر و نواہی کو جانتا ہے اور دوسرا عالم وہ ہے جو قانونِ شریعت کو نہیں جانتا لیکن اللہ کی ذات و صفات کی معرفت رکھتا ہے، تیسرا وہ جوان دونوں چیزوں کو جانتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت تھانویؒ اسی تیسرے طبقے کے عالم تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم شریعت اور طریق معرفت دونوں سے سرفراز کیا تھا اس لئے ان کی اس تفسیر میں یہ دونوں شانیں موجود ہیں، اس لئے اس تفسیر کو سمجھ کر پڑھنے والے کو علم احکام اور معرفت ذات وصفات دونوں کے اثرات سے کامل شرح صدر میسر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے خود بھی فرمایا ہے کہ بعض آیتوں کی تفسیر میں مجھے ایک ایک ہفتہ لگ جاتا اور جب تک مجھے اس میں منجانب اللہ شرح صدر نہیں ہو جاتا تھا اس وقت تک میں ان کی تفسیر میں قلم نہیں اٹھاتا تھا۔

ان اہتمامات کے علاوہ جہاں حضرت تھانویؒ نے احکام کی آیات کی احادیث سے تفسیر وتشریح کی ہے وہاں ان سے متعلق فقہی احکامات کی تفصیل بھی بیان کردی ہے جس سے یہ تفسیر جامع حدیث وفقہ نظر آتی ہے۔ اپنی اس تفسیر میں مولانا تھانویؒ نے آیاتِ قرآنی سے مسائل تصوف کا بھی جگہ جگہ استنباط کیا ہے اور سلوک کے ہر مسئلے کا مآخذ بیان کردیا ہے، اس لئے یہ تفسیر جہاں حدیث وفقہ سے بھرپور ہے وہاں احسان وتصوف سے بھی معمور ہے اور اس لئے اس تفسیر کو جس طرح محدثانہ اور فقیہانہ طرز کی کہا جاسکتا ہے اسی طرح صوفیانہ اور عارفانہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

ایسی تفاسیر کمیاب ہیں کہ جن میں بیک وقت حدیث وفقہ اور تصوف جمع کر کے آیات کی تفسیر کی گئی ہو۔ بعض تفسیریں خالص محدثانہ رنگ کی لکھی گئی ہیں جیسے تفسیر ابن کثیر یا تفسیر درمنثور وغیرہ۔ بعض تفاسیر خالص تصوف اور طریقت کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں، جیسے شیخ محی الدین ابن عربی کی تفسیر اور بعض تفسیریں فقط علم کلام اور عقائد کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں، لیکن حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' ان علوم کی جامع ہے جس کی نظیر اردو زبان میں مشکل سے ملے گی۔ اس لئے اگر اس تفسیر کو عدیم النظیر نہ کہا جائے تو کم از کم قلیل النظیر ضرور کہا جاسکتا ہے کیوں کہ بلاشبہ اردو کی دیگر تفاسیر میں یہ خصوصیات یکجا نظر نہیں آتی ہیں۔

استیعاب مالہ وماعلیہ

تفسیر بیان القرآن میں یہ خصوصیت بھی ملتی ہے کہ جو مضمون مولانا تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں وہ استیعاب مالہ وماعلیہ کے ساتھ وضاحت فرمادیتے ہیں جیسے قرآن کریم کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ. فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.[1]

ترجمہ: لوگ آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کریں، آپؐ فرما دیجئے جتنا آسان ہو، اللہ تعالیٰ اس طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تا کہ تم دنیا اور آخرت کے معاملے میں سوچ لیا کرو۔

اس آیت کے ضمن میں تفسیر کرتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حکم شانزدہم مقدارِ انفاق: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ الیٰ قوله تعالیٰ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اور لوگ (آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں، آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو (کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑ جاوے) اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تا کہ تم (ان کو احکام کا علم حاصل ہو جاوے (اور اس علم کی وجہ سے ہر عمل کے کرنے سے پہلے) دنیا و آخرت کے معاملات میں (ان احکام کو) سوچ لیا کرو (اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو) ف: مثلاً خرچ ہی کرنے کے باب میں جس کو دنیا و آخرت دونوں کے ساتھ تعلق ہے دنیا کے ساتھ بوجہ آلۂ حوائج ہونے کے اور آخرت کے ساتھ بوجہ آلۂ ثواب ہونے کے پہلے سوچ لیا کہ یہ خرچ کرنا موافق حکم الٰہی کے ہے یا نہیں۔ اگر ہو اخرچ کیا ورنہ نہ کیا اور اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی معصیت میں خرچ کرتا ہے تو مطلقاً ناجائز اور اگر اطاعت میں خرچ کرتا ہے تو اگر وہ اطاعت حد وجوب و فرضیت تک پہنچی ہے مثلاً زکوٰۃ وغیرہ تو خرچ کرنا فرض و واجب ہے اور اگر حد نفل تک ہے جیسے معمولی خیر خیرات تو اگر کسی عیال وغیرہ کا اس میں حق ضائع ہوتا ہو تو خرچ کرنا ناجائز اور اگر کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۹، ۲۲۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن خود پریشان ہو کر صبر نہ کر سکے گا تو بھی ناجائز ورنہ جائز اور اگر وہ محل نہ طاعت ہے نہ معصیت بلکہ مباح ہے جیسے فواکہ ولذائذ میں تو اگر نیت تقویت علی الطاعۃ کی ہے تو ثواب ہے اور اگر نیت تقویت علی المعصیت کی ہے تو گناہ ہے اور اگر محض دل ہی خوش کرنا ہے تو مباح ہے۔ اس آیت میں نفل صدقات کا حکم مذکور ہے، اس کی جو شرطیں ہیں احقر نے اثناء ترجمہ میں بھی ان کی طرف اجمالاً اشارہ کر دیا ہے اور اس تقریر میں تفصیلاً لکھ دیا ہے۔ واللہ اعلم"[1]

"فی باب النقول اخرج ابن ابی حاتم من طریق سعید او عکرمة عن ابن عباس ان نفرا من الصحابة حین امروا بالنفقة فی سبیل اللّٰہ اتو النبی ﷺ فقالوا لا ندری ما ھذہ النفقة التی امرنا فی اموالنا فما ننفق منھا فانزل اللہ و یسئلونک ماذا ینفقوان قل العفو و اخرج ایضا عن یحییٰ انہ بلغہ ان معاذ بن جبل و ثعلبة اتیا رسول اللّٰہ فقالا یارسول اللّٰہ ﷺ ان لنا ارقاء و اھلین فما تنفق من اموالنا فانزل اللہ ھذہ الآیة (ای و یسئلونک ماذا ینفقون الخ)"[2]

چند تفسیری مثالیں

حضرت کی تفسیر سے چند مثالیں بطور نمونہ سورہ فاتحہ کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

الحمد للّٰہ رب العلمین.

سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے۔

---

[1] بیان القرآن، ج۱، ص:۱۵۳ [2] بیان القرآن، ج۱، ص:۱۵۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

الرحمٰن الرحیم

جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

ملٰک یوم الدین.

جو مالک ہیں روز جزا کے

ایاک نعبد و ایاک نستعین

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم.

بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا۔

صراط الذین انعمت علیھم.

راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔

غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین.

نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا

اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے۔[1]

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ترجمے میں قرآنی الفاظ ہی سے اسم فاعل اور فعل بنائے ہیں، مثلاً رب سے مربی، نعبد سے ہم عبادت کرتے ہیں، نستعین سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں اور انعمت سے آپ نے انعام فرمایا، الضالین کا ترجمہ ''جو راستہ سے گم ہو گئے'' کیا ہے، لیکن راستے سے گم ہونا محاورہ نہیں ہے۔ راستے سے گم ہونے کا مفہوم راستے سے غائب ہو جانا، مفقود ہو جانا، معنوی ہو جانا نکلتا ہے۔ اس کی بجائے ''راستہ گم کرنا'' ہونا چاہئے۔ ''راستہ گم کرنا'' محاورہ بھی ہے اور ''ضالین'' کے مفہوم کی ٹھیک ترجمانی بھی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تعلق سے حضرت نے ترجمے میں جملہ کی خبر ہمیشہ بصورت جمع استعمال کی ہے، مثلاً ''جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں'' ''جو مالک ہیں روز جزا کے'' وغیرہ۔ اسی

[1] بیان القرآن جلد اول، ص: ۲۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرح قرآن مجید میں جہاں فاعل خدا کے ساتھ فعل بصیغہ واحد آیا ہے ترجمہ فعل بصیغہ جمع کیا ہے مثلاً اللّٰہُ یستھزئُ بھم کے ترجمہ میں ''اللہ تعالیٰ استہزاء کررہے ہیں ان کے ساتھ یا اِنّ اللّٰہ لا یستحیی کے ترجمہ میں ''ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں فرماتے، یہ خصوصیت ان کی اردو تصانیف میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ''بہشتی زیور'' سے دیئے گئے نمونہ عبارت کے آخری فقرے ''اللہ تعالیٰ سب سے بچاویں'' میں بھی فعل بصیغہ جمع ہی ہے۔ اس کے تعلق سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسمائے ذات وصفات کے ساتھ ضمیر واحد کے استعمال کو سوئے ادب سمجھتے ہیں اردو قواعد کا عام قاعدہ یہ ہے کہ فاعل واحد ہو تو فعل بھی واحد لاتے ہیں اور ضمیر بھی واحد لاتے ہیں۔ فاعل جمع ہو تو فعل بھی جمع لاتے ہیں اور ضمیر بھی جمع لاتے ہیں لیکن کسی فرد کا احترام مقصود ہو تو فاعل ہونے کے باوجود فعل بھی جمع لاتے ہیں جب کہ لیکن غیر معمولی ادب واحترام کے لئے چند خاص صورتوں میں صلہ واحد ہی استعمال کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے ہماری بھلائی ہی کے لئے کرتا ہے۔ اللہ بڑا ہے اور سب کا پالنے والا ہے۔ بادشاہ آیا۔ بادشاہ حکم دیتا ہے۔ بادشاہ فریاد سنتا ہے۔ دولہا آیا۔ دولہا نکلا۔ یہ قاعدہ اس مفروضے پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ جس کی برتری اور بزرگی مسلمات سے ہوتی ہے۔ اس کی اس امتیازی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے فعل جمع اور ضمیر جمع استعمال کرنے کے لئے عام قاعدے سے ہٹ کر فعل واحد اور ضمیر واحد ہی استعمال کی جاتی ہے۔ دولہا کے لئے اس کی شخصیت برات میں ایسی ہی اہم ہوتی ہے جیسے رعایا میں بادشاہ کی۔ غالباً اسی لئے اس کو نوشہ کہا جاتا ہے، لیکن ایسی بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں فاعل حضرت نے ضمیر واحد استعمال کی ہے، مثلاً: لا یُکلّف اللّٰہُ نفساً الاّ وسعھا۔[1]

(ترجمہ) 'اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت (اور اختیار) میں ہو۔'' اور حاشیے میں اسی آیت کے فائدہ (ف ۴) کے تحت عبارت میں ضمیر واحد ہی استعمال کی ہے۔ ف ۴، یعنی ان امور کو واجب اور حرام نہیں فرماتا۔ آیت اَللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم سورہ بقرہ کے رکوع ۳۴ کی آیت بھی ہے اور سورہ آل عمران کی

[1] سورہ بقرہ، رکوع ۴۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابتدائی آیت بھی مگر ایک جگہ ضمیر واحد استعمال کی گئی ہے تو دوسری جگہ جمع۔ دونوں مقام کے ترجمے کو بالترتیب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، زندہ ہے، سنبھالنے والا ہے (تمام عالم کا)۔"[1] اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل معبود بنانے کے نہیں اور وہ زندہ (جاوید) ہیں۔

سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں۔[2]

اس طرح کے دو عملی ترجمے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت تھانویؒ نے ایسے مواقع پر دونوں طریقے اختیار کئے ہیں۔

حضرت نے سورہ مدثر میں حَتّٰی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ کا ترجمہ "یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آ گئی کیا ہے اور ڈپٹی نذیر احمد کے اسی آیت کے ترجمے "یہاں تک (کہ مرے پیچھے آنکھ سے دیکھا تو) ہم کو یقین آیا" پر حضرت تھانوی صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ (یقین آنا بھی صحیح ہے کہ ہم برابر قیامت کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہم کو موت آ پہنچی۔ یقین کے لفظی اور لغوی معنی "بے شک" اور "یقین" کے ہی ہیں اور "موت" مرادی معنی ہیں۔ ترجمے میں مرادی معنی کو ہلالین میں رکھنا مناسب ہوگا نہ کہ محاورے کی خاطر خدا کے اصلی معنی سے اعراض کر کے مرادی معنی لکھنا کسی طرح جائز نہ ہوگا۔ اسی لئے شاہ عبدالقادر نے ترجمہ میں لفظ یقین ہی استعمال کیا ہے۔ (ترجمہ) "جب تک آ پہنچے ہم پر یقین آنے والے" اور "موضح قرآن" میں اس کے فائدے کے تحت لکھا ہے "یعنی موت....." سورہ مدثر ہی میں "لیستیقن الذین اوتوا الکتاب" کے ترجمے میں مولوی صاحب موصوف نے لفظ "یقین" ہی استعمال کیا ہے۔ (ترجمہ) "تا کہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ) یقین کر لیں۔"

ترجمہ و تفسیر کی زبان و بیان کے بارے میں فاضل مفسر حضرت تھانوی نے خطبے میں خود ہی بتا دیا ہے کہ یہ قرآن مجید کا آسان زبان میں ترجمہ ہے۔ اس میں تحت لفظی کی بھی

---

[1] سورہ بقرہ [2] سورہ آل عمران

toobaa-elibrary.blogspot.com

رعایت رکھی گی ہے، نیز یہ کہ اس میں خالص محاورے استعمال نہیں کئے گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان خصوصیات میں مقالہ نگار کی طرف سے ایک دو باتیں اضافہ کی جاتی ہیں۔ وہ یہ کہ ترجمے میں جملوں کے آخر فعل ناقص کے اضافے سے ایسے جملے جو پہلے نامکمل اور غیر مفید معلوم ہوتے تھے اب مکمل اور مفید جملے معلوم ہونے لگے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ عبارت میں ربط اور تحریر میں روانی پیدا ہوگئی۔ دوسرا فائدہ یہ کہ تفہیم مطلب میں سہولت ہوگئی۔

اس قدر آسان اور مربوط ترجمہ خود ایک بڑا کارنامہ ہے اس پر مستزاد یہ کہ مولوی صاحب نے جہاں تک ممکن ہوسکا ترجمے کو لفظی رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس التزام اور اہتمام کے باوجود ترجمے کو سلیس اور مسلسل رکھنا مولوی صاحب کی قدرت بیان کا اعجاز ہے۔

دیگر تفاسیر کے درمیان بیان القرآن

علومِ قرآن مختلف فنون، لغت، بلاغت، اعراب، حدیث، فقہ، کلام، تصوف پر مشتمل ہے۔ قرآن کے بارے میں مکمل واقفیت کے لئے ان علوم کی واقفیت ضروری ہوتی ہے۔ اگر کوئی مفسر لغت یا بلاغت سے واقف نہیں ہے تو اس کی تفسیر قرآن کی صحیح ترجمانی کے مقام سے الگ سمجھ جائے گی اور وہ مکمل ترجمانی نہیں ہوگی۔ قرآنی علوم کو سمجھنے کے لئے عقل و نقل دونوں پر مکمل عبور ہونا چاہئے۔ جس مفسر کی صلاحیت عقل و نقل کے باب میں جس قدر وسیع و عمیق ہوگی، اُس کی تفسیر اسی قدر وسیع اور عمیق ہوگی۔

اگر اسلامی علوم وفنون کی روشنی میں حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کو دیکھا جائے تو ان کی تفسیر فن لغت، بلاغت، اعراب، فقہ، کلام، حدیث اور تصوف کے مسائل کی جامع نظر آتی ہے۔ وہ ہر جگہ التزام کے ساتھ حاشیہ کی عربی واردو لغت میں علمِ لغت قرآن، بلاغت قرآن، حدیث قرآن، تصوف قرآن، فقہ کلام اور ہر جلد کے اخیر میں علم اعراب قرآن سے بحث کرتے ہیں اور قرآن کی فقہی خصوصیات، کلامی آیات اور بلاغتی خصوصیات کی وضاحت کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ جس طرز پر ہر باب کے لئے عنوان لگا کر لغت قرآن، ملحقات الترجمہ، مسائل السلوک، البلاغۃ، الروایات، الفقہ، الکلام، وجوہ المثانی کے ذیل میں لکھتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں: اگر متوسط طبقہ کو سامنے رکھ کر لکھنے کے بجائے منتہی کے لئے لکھتے تو وہ عالم اسلام کی بے مثال تفسیر ہوتی مگر ان کے پیش نظر چوں کہ درمیانی درجہ کے علماء اور پڑھے لکھے لوگ تھے اس لئے اس ذہن کے مطابق ان تمام علوم وفنون پر قرآنی آیات کی تفسیر میں بحث کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے متوسط طبقہ کے لئے لکھا ہے۔ علماء بھی اس کے اشارات وعلمی مباحث سے یکساں مستفید ہوتے ہیں اور شاید بیان القرآن کی یہی وہ خصوصیات تھیں جنہیں دیکھ کر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کہا تھا:

''میں سمجھتا تھا کہ یہ تفسیر عوام کے لئے لکھی گئی ہے لیکن اس سے تو علماء بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔''

عام طور پر قرآن کریم کے مترجمین اور مفسرین نے اردو ترجمہ میں کہیں نہ کہیں کوتاہی کی ہے سوائے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ترجمۂ قرآن کے کیوں کہ انہوں نے تمام موقعوں پر شاہ صاحبؒ کی پیروی کی ہے۔

بیان القرآن اور کلامیات

قرآن کا سب سے اہم باب خدا کی ذات صفات، حشر نشر، جنت وجہنم وغیرہ کے کلامی امور پر مشتمل ہے۔ وحدانیت وربوبیت کے مسائل قرآن کی ابتداء سے لے کر انتہا تک تمام آیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے قرآن مجید کے مفسرین اپنی تفسیروں میں ان مذکورہ مسائل سے بحث کرتے ہیں اور ان کے اردگرد پھیلے ہوئے شبہات کی تردید کرتے ہیں۔ کلامیات کے گرد گھومنے والے شبہات عموماً ہر دور میں یکساں ہوتے ہیں، البتہ ان کے انداز اور بعض جزئی تفصیلات میں اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے، اگرچہ وہ مسائل اور شبہات محدود ہیں لیکن ہر دور میں ملحدین کی عقلی دقیقہ سنجیوں نے اتنے گوشے نکالے ہیں اور اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ ایک کتب خانہ تیار ہوگیا ہے۔ ملحدین کی ان ہی عقلی موشگافیوں نے ہر دور کے مفسرین کو ان کے جواب دینے پر مجبور کیا ہے اور انہوں نے قرآن کے کلامیات کو مدلل طریقہ پر تمام شبہات کو رد کر کے پیش کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کلامیات پر ہونے والے اعتراضات چوں کہ عقلی ہوتے ہیں اس لئے مفسرین نے ان مسائل کی تفسیر میں عقلی دلائل سے کام لیا ہے بلکہ بعض مفسرین نے تو زمانہ کے عقلی رو سے متاثر ہوکر اپنی تفسیر کی بنیاد ہی عقلیات پر رکھی ہے اور قرآن کی ہر آیت کی تفسیر عقلی طور پر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں اس قدر غلو کیا ہے کہ قرآن کی تفسیر تحریف کی سرحد سے جاملی، جیسا کہ زمانۂ قدیم میں فرقۂ معتزلہ اور ان کے بعد آنے والے فرقہ باطنیہ اور قرامطہ نے کیا ہے۔ معتزلہ نے یونانی فلسفہ سے مرعوب ہوکر قرآن کی تاویل شروع کی، پھر ان کے بعد فرقہ باطنیہ نے عقل و نقل کے درمیان تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے تمام عقائد بلکہ عبادات تک کی تحریف کر ڈالی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب ''التعینیۃ'' میں فرقۂ امامیہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''فالقرامة الذين يضاهون الصائبه للفلاسفة والمجوس الشنوية حرفوا و عطلوا و حرفوا الايمان بالله و كذلك الايمان باليوم الآخرة، و كذلك عمل الصالح حتى جاء ت به شريعه عن اسماء الاعمال انما هى رموز و اشارات الاحقافهم كقولهم ان الصفوا معرفه اسرارنا، والصيام، كتمان اسرارنا، والحج زيارة شيوخنا القدسين و امثال ذالك.''[1]

صابی فلاسفہ اور شنوی مجوس سے مشابہت رکھتے ہیں، انہوں نے تحریف کی اور احکام کو کالعدم کیا، انہوں نے ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اسی طرح عبادت میں تحریف کی اور شریعت کے اندر وارد شدہ عبادات کے اسماء کو رموز واشارات قرار دیا۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے نماز ہمارے اسرار کا نام ہے اور روزہ اسرار کو پوشیدہ رکھنے کا اور حج ہمارے مقدس شیوخ کی زیارت کا نام ہے۔ اسی طرح دوسرے امور ہیں۔

اسی طرح فرقہ معتزلہ کا تعارف کراتے ہوئے صاحب شرح عقائد لکھتے ہیں کہ:

---

[1] تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ، کتاب التعینیۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

"و معظم خلافیاته مع الفرق الاسلامیة خصوصا المعتزلة لانهم اول فرقة اسسوا قواعد الخلاف لما ورد به ظاهرا المنة و جری علیه جماعة الصحابة رضوان اللّٰه علیهم اجمعین فی باب العقائد و ذلک لان رئیسهم واصل بن عطاء اعتزل عن مجلس الحسن البصری رحمه اللّٰه و یقرأ ان من ارتکب عنا قسموا المعتزلة وهم سموا انفسهم اصحاب العلماء والتوحید۔[1]

خلاصہ یہ کہ معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے اس کا وجود حضرت حسن بصریؒ کے زمانے میں ہوا، اس کا بانی واصل ابن عطاء ہے۔ معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہوجاتا ہے مگر وہ کفر میں داخل نہیں ہوتا یعنی نہ وہ مؤمن رہتا ہے نہ کافر۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جس زمانے میں تفسیر لکھی اس زمانہ میں اگرچہ معتزلہ اور فرقہ قرامطہ کا تو وجود نہ تھا لیکن ان کے پیش آمدہ مسائل تھے ان مسائل کی اصلیت بھی وہی قدیم شبہات تھے جن کو جدید طریقہ پر پیش کیا گیا تھا، جدید قالب میں انہیں ڈھالا گیا تھا اور علماء اسلام کو اس کا جواب دینا تھا۔ حضرت حکیم الامت سے پہلے جن لوگوں نے اردو میں تفسیریں لکھیں اور مسائل کلامیہ سے بحث کر کے دورِ جدید کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی ان میں ایک نمایاں نام سرسید احمد خاں کا بھی ہے۔ انہوں نے شبہات کو دور کرنے کے لئے عقلی طریقہ اختیار کیا اور اپنے طور پر سائنٹفک طریقہ سے روشن خیال لوگوں کو علوم جدیدہ کے پیدا کردہ شبہات سے بچانے کی کوشش کی، گویا انہوں نے جدید دور کے مطابق عقل ونقل کے درمیان تطبیق کی کوشش کی اور یورپ کے سائنس دانوں اور فلسفیوں کو تشفی بخش جوابات دینے سے پہلے قرآن کی آیات کو عقل وسائنس کے مطابق ڈھالا، لیکن عقل ونقل کے درمیان تطبیق کے سلسلے میں سرسید کے قلم میں بھی معتزلی اور باطنی مفسرین کی طرح شدید لغزش آئی اور عقل ونقل کی تطبیق میں شرح وتفسیر کے دائرے سے نکل کر تاویل بے جا کی منزلوں میں آ گئے۔ بعض مرتبہ قرآن کی آیتوں کی ایسی تاویل کی کہ وہاں

[1] شرح عقائد

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاویل کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ سرسید کی اس تاویلی کوشش نے علماء کے ایک طبقہ میں جو سلف صالحین کے مسلک کے پابند تھے اور اس کو برحق سمجھتے تھے ایک ہیجان پیدا کر دیا اور انہیں ان کو جواب دینے پر مجبور کر دیا۔

سرسید کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مکمل تفسیر ''البیان القرآن'' میں جدید شبہات کا جواب دیتے ہوئے تاویل وتحریف سے کام نہیں لیا۔ اگرچہ انہوں نے بھی عقلی طور پر بعض مسائل کو ثابت کیا اور عقلی طور پر پیدا شدہ شبہات کی تردید کی۔ حکیم الامت تھانویؒ نے اگرچہ اس کا عنوان عقل ونقل کی تطبیق کا نہیں دیا ہے، لیکن دراصل عقل ونقل ہی کے پیدا شدہ شبہات کی تردید کی ہے۔ اس لئے یہاں عقل ونقل کے درمیان تطبیق کے سلسلے میں ان کی رائے جاننا ضروری ہے کہ کیا وہ عقلیات وشرعیات کی تطبیق کو ضروری سمجھتے ہیں۔

نقلیات پر عقلیات کا انطباق

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مکمل بیان القرآن میں نقلیات کے عقلی ہونے کی صراحت کی ہے، ان کا نظریہ ہے کہ اسلام کے اصولی مسائل مثلاً توحید ورسالت وغیرہ تمام تر عقلی مسائل ہیں، عقلیات سے ان کا کوئی تصادم نہیں ہے بلکہ وہ عین مطابق عقل ہے، البتہ فروعات کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ فروعات عقلیات کے متعارض نہیں ہو سکتے۔

جیسا کہ وہ سورۂ نحل کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''اب دلائل توحید سے سورت شروع ہوتی ہے جس میں زیادہ حصہ دلائل عقلیہ کا ہے کہ آیت خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ سے دور تک چلا گیا ہے اور اس سے قبل آیت یُنَزِّلُ الْمَلٰئِکَةَ میں اس توحید کی دلیل نقلی کی طرف اشارہ ہے اور چوں کہ مضمون توحید کا مہتم بالشان ہے اس لئے سب سے اول اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ میں وعید کا مضمون لایا گیا تاکہ اس سے متنبہ ہو کر توجہ کے ساتھ دلائل میں غور کریں اور اسی اہتمام کے لئے دلیل نقلی میں اَنْذِرُوْا مکرر تنبیہ کے لئے لائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں اور دلائل عقلیہ میں اپنے انعامات کا ذکر بھی فرمایا ہے تا کہ اتیان امر اور انزار سے تربیت اور ذکر نعم سے ترغیب ہو جائے کہ دونوں کو توجہ میں خاص دخل ہے۔"[1]

چنانچہ اسی تناظر میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"اسلام کے اصول یعنی توحید و رسالت کے مسائل عقلی ہیں، جیسا آیت یَعْقِلُوْن سے اس طرف اشارہ ہے اور فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔ البتہ کسی دلیل قطعی کے خلاف نہ ہونا ضرور ہے۔ افسوس ہے کہ آج بھی نوخیز طبائع ان دونوں کو مخلوط کر کے عجیب چکر میں پڑ جاتے ہیں جس کا آخری انجام بددینی ہے، خوب سمجھ لو۔"[2]

حکیم الامتؒ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ فروعات کا عقلی ہونا ضروری نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ عقلی دلیل سے ان کا صحیح ہونا سمجھ میں آجائے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ فروعات ان عقلی دلائل سے متعارض نہیں ہو سکتے، جن کی صحت پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ ان کی پہلی عبارت سے یہ بات واضح انداز میں مترشح ہو جاتی ہے یہاں پر اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حکیم الامتؒ کا یہ نظریہ تطبیق بین العقل والنقل ہے۔ جو سلف صالحین کے نظریہ کے مطابق ہے۔ متقدمین میں یہ نظریہ صراحت کے ساتھ امام ابن تیمیہؒ کے یہاں ملتا ہے، جنہوں نے عقل و نقل کے درمیان تطبیق کے لئے "کتاب الموافقہ" لکھی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ عقل و نقل کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"المنقول الصحیح لا یعارضه معقول صریح قط، و قد تاملت ذلک فی عامة ما تتنازع الناس فیه فوجدت ما خالف النصوص الصحیحة الصریحة شبهات فاسدة یعلم بالعقل بطلانها بل یعلم بالعقل ثبوت نقیضها الموافق للشرع و هذا تامله فی مسائل

---

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۳۲۷ [2] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۹۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

الاصول الکبار، کمسائل التوحید والصفات و مسائل القدر والنبوات والمعاد وغیر ذلک و وجدت ما یعلم بصریح العقل لم یخالفہ سمع قطع، بل السمع الذی یقال انہ یخالفہٗ اما حدیث موضوع او دلالۃ ضعیفۃ. فلا یصح ان یکون دلیلاً لو تجرد عن معارضۃ العقل الصریح فکیف اذا خالفہ صریح المعقول."[1]

عقل ونقل میں تطبیق کا طریقہ

حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں بھی چوں کہ عقل ونقل کی تطبیق میں وہی سلف صالحین کا نظریہ تھا، اس لئے انہوں نے نقلیات کو عقلیات سے قریب تر کیا اور اپنے زمانہ کے پیدا شدہ شبہات زائل کرنے کی کوشش کی۔ قرآنی آیت: وَ یٰقَوْمِ لاَ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالاً، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ.[2]

(اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے) کی تفسیر میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

"مال کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ اکثر مدعیان کاذب کا مقصود مال ہی ہوتا ہے اور جاہ بھی اگر مطلوب ہوتی ہے تو اکثر مال ہی کے لئے چنانچہ مشاہدہ ہے اور کفار نے مؤمنین کو اراذل اس لئے کہا کہ وہ اکثر غریب لوگ تھے اور پیشے بھی ایسے کیا کرتے تھے جو عرفاً حقیر ہوتے ہیں اور کفار جو ان کی سخاوت رائے کے مثبت اور فضل نافی ہوئے چوں کہ ثبوت نبوت اس کے جواب پر موقوف نہ تھا، اس لئے اس کی ضرورت نہ ہوئی و نیز جواب بدیہی بھی ہے وہ یہ کہ قبول حق کے باب میں خاصۃً یہ دعویٰ نفی واثبات مذکور کا بالمشاہدہ باطل ہے، ایسے لوگ حق کو بہت جلد قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں یہ بھی مضمون آیا ہے کیوں کہ ان میں کبر وغیرہ موانع نہیں ہوتے پھر اس سے بڑھ کر سلامت رائے اور فضل کیا ہوگا اور یہ

[1] درء تعارض العقل والنقل، الموافقۃ، ج ۱، ص: ۸۶، ابن تیمیہ
[2] سورہ ہود، آیت: ۲۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو کہا گیا کہ دلیل کے بعد استبعاد مسموع نہیں وجہ یہ ہے کہ بعض امور غیر مدرک بہ محض العقل مستبعد ہوتے ہیں لیکن امکان کے ساتھ جب صدق مخبر منضم ہو جائے تو مرجح وقوع ہوتا ہے، البتہ اگر دلیل عقلی یا شرعی مقتضیٰ امتناع کو ہے تو وہ استبعاد مقبول ہے بلکہ اس سے بڑھ کر امتناع کا قائل ہونا واجب ہے۔"[1]

اس عبارت میں نقل کو عقل سے قریب کرنے کی مکمل کوشش کی گئی ہے۔

ساتھ ہی انہوں نے التزاماً دورِ حاضر کے پیدا شدہ تمام شبہات کا استیعاب نہیں کیا بلکہ شبہات کے جواب دینے میں صرف ان شبہات کو خاص کیا ہے جن کا مرجع کوئی دلیل صحیح تھی جیسا کہ حکیم الامت نے اپنے نہج کے بارے میں اپنے مقدمہ میں لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"شبہات کے جواب دینے میں صرف ان شبہات کو خاص کیا ہے جن کا منشاء کوئی دلیل صحیح تھی، جیسے کوئی آیت یا کوئی حدیث" یا کوئی امر ثابت بالعقل یا بالحس" اور جن کا منشاء کوئی امر صریح نہیں ہے بلکہ وہ خود بلاشبہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کے جواب میں چوں کہ طلب دلیل کافی ہے، اس لئے اس سے تعرض نہیں کیا گیا اور بہت سے شبہات نفس تقریر و ترجمہ سے مندفع ہو گئے۔"[2]

ذات وصفات سے متعلق شبہات میں ایجاز واعجاز

اس طرح انہوں نے مباحثہ کلامیہ متعلقہ ذات وصفات وغیرہ میں وارد شدہ شبہات کو انتہائی ایجاز واعجاز کے ساتھ رفع کیا ہے اور طبقہ خواص اور طبقہ عوام دونوں کے ذہن کو ملحوظ رکھا ہے۔ کلامی بحث میں جہاں طبقہ خواص علماء کو پیچیدہ بحث پر متنبہ کرنا ہوتا ہے وہاں وہ حاشیہ کی عربی عبارت میں تحریر کرتے ہیں اور اعتراضات کو دفع کرتے ہیں، لیکن اس میں بھی اختصار ہی سے کام لیتے ہیں۔ انہوں نے کلامی بحث کو زیادہ پھیلایا نہیں ہے بلکہ شبہات واردہ کو اختصار کے ساتھ صرف مندفع کیا ہے۔ مثلاً سورہ اخلاص کی تفسیر میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

"منکرین توحید کئی قسم کے ہیں منکر وجود، منکر وجوب۔ منکر کمال صفات مشرک فی العبادۃ ان سب کا ابطال اللہ احد میں ہو گیا۔ مشرک فی الاستعانۃ اس کا

---

[1] بیان القرآن ج ۲، ص: ۲۱۳ [2] خطبہ تفسیر بیان القرآن، ج ۱، ص: ۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابطال اَللّٰہُ الصَّمَد میں ہوگیا، پس جملہ اولیٰ میں مضمون اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور جملہ ثانیہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کا داخل ہوگیا مدعی ابناؤ بنات اس کا ابطال لَمْ یَلِدْ میں ہوگیا۔ معتقد الوہیت بعضے بشر و جنات اس کا ابطال لَمْ یُوْلَد میں ہوگیا یعنی یہ لوگ مولود ہیں حق تعالیٰ مولود نہیں کیوں کہ مستلزم حدوث معتقد مماثلت جیسے مجوس کہ یزداں اور اہرمن کے قائل ہیں اُس کا ابطال لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَد میں ہوگیا۔[1]

قواعد منطقیہ کی رعایت

حضرت تھانوی رحمتکلمین کے مباحث عقلیہ کو اپنی تفسیر میں سمیٹ کر قاری کے ذہن کو پراگندہ و پریشان نہیں کرتے ہیں بلکہ خلافیات سے انہوں نے احتراز کیا ہے اور اگر کہیں خواص کا خیال کر کے ذکر بھی کیا ہے تو عربی عبارت میں تاکہ خفی الاستنباط فقہیات وکلامیات میں عوام نہ پڑیں بلکہ کلامیات کے عقلی دلائل بیان کرتے وقت بھی ان کا اندازِ بیان خالص علمی اور منطقی ہوتا ہے اور دلائل میں انہوں نے منطقی قواعد کی پوری رعایت کی ہے۔ وہ اپنے مقدمہ میں خود لکھتے ہیں:

> ''تقریر مدلول آیات میں قواعد میزانیہ منطقیہ کہ پوری طور سے رعایت کی گئی ہے جس کا لطف اذکیاء اور علماء کے جی سے پوچھنا چاہئے۔''[2]

مثلاً سورہ جاثیہ کی آیت نمبر ۵ کی تفسیر میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

> ''اہل ایمان واہل ایقان کے لئے جو ان دلائل کا ہونا فرمایا باوجودیکہ دلائل عقلیہ ہیں جیسا کہ لِقَوْمٍ یعقلون اس پر دال ہے تو ایمان وایقان سے عام ہے بالقوہ و بالطلب و بالحصول اور عقلی دلیل اس میں بھی نظر اور طلب ضروری ہے اور فواصل کا اخلاف مؤمنین، یوقنون اور یعقلون سے تفنن کلام ہے۔''[3]

---

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۶۹۶ [2] ایضاً، ص: ۶ [3] بیان القرآن، ج ۳، ص: ۳۸۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہاں حضرت نے قواعد منطقیہ کی رعایت کے ساتھ جس ایجاز اور تفنن کلام کو ملحوظ رکھا ہے وہ یقیناً آپ ہی کا حصہ ہے۔

لیکن مدلولات کی تقریر حضرت حکیم الامتؒ نے جس انداز اور اختصار سے کی ہے اس کو گہری نظر سے پڑھنے والے علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، جو علوم اربعہ منطقیہ سے واقف ہوں، چوں کہ ان کے پیش نظر علماء مدارس بھی تھے اس لئے ان کی زبان میں کلام کیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے جدید ذہن کی رعایت نہیں کی ہے بلکہ انہوں نے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے شبہات کی بھی رعایت کی ہے اور ان کا جواب اس قدر سلیس مختصر دیتے ہیں کہ تمام شکوک منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ حضرت تھانویؒ جدید علوم کے پیدا کردہ تمام شبہات سے واقف نہ تھے اور نہ انہوں نے ان کتابوں کو پڑھا تھا، اس لئے بہت سے ایسے نظریات کی تردید ان کی تفسیر میں نہیں ملتی ہے جو جدید دور کی پیدا کردہ ہیں۔ البتہ بعض جگہوں پر انہوں نے آیات کی تشریح ہی ایسی کی ہے جس سے پیش آمدہ شبہات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہم مسائل کلامیہ میں سے چند کو لے کر ناقدانہ جائزہ لیتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ حکیم الامت نے علمِ کلام کی پیچیدہ بحثوں میں کون سا طریقہ استعمال کیا ہے، کہاں تک شبہات کی علمی تنقید میں وہ کامیاب ہیں اور انہوں نے اپنے نوک قلم کو تاویل و تحریف سے کس قدر بچایا ہے۔

حکیم الامتؒ کا قلم کلامیات میں اشاعرہ و ماتریدیہ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اور انہوں نے عقائد کے باب میں اس سے بالکل انحراف نہیں کیا ہے۔ ذات وصفات کے باب میں تشریح کرتے ہوئے انہوں نے امام مالکؒ کے اس جملہ کی پیروی کی ہے جسے انہوں نے استویٰ علی العرش کے بارے میں پوچھنے والے سے کہا تھا کہ:

"الاستوا معلوم، والیکف مجهول، والایمان به واجب والسوال عنه بدعة."[1]

اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے آیت وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ

[1] حاشیہ بیان القرآن، جلد ۲، ص: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

قَرِیبٌ أُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں لکھتے ہیں:

''اور اے محمد (ﷺ) جب آپؐ سے میرے بندے (قرب اور بُعد کے) میرے متعلق دریافت کریں تو آپؐ میری طرف سے اُن سے فرمادیجئے کہ میں قریب ہی ہوں اور باستثناء نامناسب درخواست کے منظور کرلیتا ہوں، ہر عرضی درخواست کرنے والے کی جب کہ وہ میرے حضور میں درخواست دے۔''[۱]

آگے فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''یہ جو فرمایا کہ جب دریافت کریں، سو ایک شخص نے دریافت کیا تھا اور یہ جو فرمایا کہ میں قریب ہوں تو جیسے حق تعالیٰ کی ذات کی حقیقت بے چون و چگوں ہونے کی وجہ سے ادراک نہیں کی جاسکتی، اسی طرح ان کی صفات کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ایسے مباحث میں زیادہ تفتیش جائز نہیں، اجمالاً اتنا سمجھ لیں کہ جیسی ان کی ذات ہے، اُن کی شان کے مناسب ان کا قرب بھی ہے۔''[۲]

تاویل کے باب میں مسلک اشاعرہ اور ماتریدیہ کا لحاظ

قربِ خداوندی کے بارے میں انہوں نے تاویل سے بالکل کام نہیں لیا اور نہ یہ بحث کی کہ قرب سے مراد قرب ذاتی ہے یا صفاتی، البتہ وہ مطلقاً تاویل کے منکر بھی نہیں ہیں جیسا کہ ''بیان القرآن'' کے حاشیہ پر رسالہ ''التواجہ بما یتعلق بالتشابہ'' میں انہوں نے اس کی صراحت کی ہے بلکہ ان لوگوں کی تغلیط بھی کی ہے جو مطلقاً مسلک تاویل کو باطل کہہ کر ہزاروں اہل حق کی تضلیل کرتے ہیں۔ تاویل کے باب میں حضرت تھانویؒ کا مسلک اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ہے جو تاویل کو جائز قرار دیتے ہیں اور ذات و صفات کے باب میں غلو فی التاویل نہیں کرتے۔

سورہ یونس کی آیت فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الخ کی تفسیر ماتریدیہ کے مسلک کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور مخالف نظریات کی لطیف انداز میں تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

---

[۱] بیان القرآن، ج۱، ص:۱۰۵ [۲] ایضاً

toobaa-elibrary.blogspot.com

''ظاہر میں خطاب آپ کو ہے مگر مقصود خطاب دوسروں کو ہے، آپ کو خطاب کرنے میں ایک مبالغہ ہے، اس دلیل کی کفایت میں کیوں کہ صاحب وحی جو بلاواسطہ تلقی من اللہ ومن الملائکۃ کرتا ہے جب تلقی من اہل العلم جو تلقی من اللہ کا واسطہ ہے اس کے لئے کافی ہوگی جو تلقی بلاواسطہ کر ہی نہیں سکتا اس کے لئے وہ تلقی بواسطہ درجہ اولیٰ کافی ہوگی۔ یہ تو اول خطاب کی توجیہ ہے اور اخیر خطاب فلا تکونن ولا تکونن فتکون میں مبالغہ ہے افتراء وتکذیب کے قابل نہیں ہونے میں کیوں کہ جس ذات میں اس کا احتمال بھی نہیں جب اس کو روکا جاتا ہے تو جس میں احتمال ہے اس کو تو بدرجہ اولیٰ روکنا چاہئے اور نزول آیت کے وقت آپ نے اپنے مقصود بالخطاب نہ ہونے کو ان لفظوں میں سے ظاہر فرمادیا: **لا اشک ولا اسئال اخرجه عبدالرزاق و ابن جرير عن قتادة مرفوعاً مرسلاً كذا فى الدر المنثور.** اور یہ بات کہ تلقی من اہل العلم صاحب وحی کے لئے کیسے کافی ہوسکتی ہے سو وجہ یہ ہے کہ وہ اہل علم متبوع نہیں بلکہ ناقل ہیں اور اس میں کوئی اشکال نہیں اور یہ بات کہ اہل کتاب تو خود تکذیب کرتے تھے، پھر ان سے پوچھنا کیسے بتلادیا گیا۔ اس کا جواب من حیث القراءۃ کے لفظ میں خود تقریر ترجمہ میں موجود ہے یعنی جب وہ اصل مضمون کو پڑھ دیں تو اخفاء نہیں ہوسکتا۔''[1]

حضرت تھانویؒ کے غلو فی التاویل نہ کرنے کی مثالیں ''بیان القرآن'' میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ ان تمام مقامات پر جہاں ہندوستان کے دوسرے مفسرین مثلاً سرسید احمد خاں وغیرہ جدید علوم اور مستشرقین سے متاثر ہوکر لغزش کھا گئے ہیں وہاں ان کا قلم مسلک سلف پر انتہائی ایجاز واعجاز اور معقول انداز میں چلتا ہے۔

مسئلہ رفع عیسیٰ علیہ السلام

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فکر کی صلابت ودرستگی اور افراط وتفریط سے سلامت روی اور

---

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۱۹۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

تطبیق میں عقل ونقل کی بہترین مثال سورہ آل عمران کی بحث رفع عیسیٰ علیہ السلام ہے، جہاں انہوں نے سینکڑوں صفحات کا نچوڑ اس طرح عقلی ونقلی انداز میں پیش کیا ہے کہ قرآن کا ذکی طالب علم پھڑک اٹھتا ہے، اس بحث میں جہاں ان کے ہم عصر اور ان سے قبل سرسید وغیرہ لغزش کھا گئے تھے انہوں نے مستشرقین کے مباحث سے مرعوب ہوئے بغیر قرآن کے مدّعا ومنشاء کی پیروی کی ہے اور بے جا تاویل سے احتراز کیا ہے۔ یہاں ان کی بحث کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

> ''یہود کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوکر دفن ہوئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے اور عیسائی کہتے ہیں کہ بعد صلب ودفن کے زندہ ہوکر آسمان پر گئے۔ قرآن مجید نے اس قول ''مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ'' سے دونوں کی نفی فرمادی اور ان کے منشاء اشتباہ پر ''وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ'' میں تنبیہ۔

اگر کوئی منکر ومدعی تواتر کا ہو تو جواب ظاہر ہے کہ وہاں موافقین تو خوف کے مارے جمع تھے نہیں، صرف مخالف یہودی تھے، سو اولاً وہ قلیل جو تواتر کے لئے کافی نہیں، ثانیاً تصرف الٰہی سے ایک شخص ان کا ہم شکل بنادیا گیا، ان کو خود اشتباہ ہوگیا اور بقول بعض علماء حاضرین کے غلط خبر اڑادینے سے غائبین پر امر مشتبہ ہوگیا۔ بہرحال مشاہدہ نہ رہا، ثالثاً ان کا عدد ہونا خود مجوز توفق علی الکذب ہے، پس شرائط تواتر کے مفقود ہوئے۔

مزید اشکالات کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''**تنبیہ ضروری**: تقریر تفسیر سے بعض ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو آج کل دعویٰ بلا دلیل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور آپ مدفون ہوگئے اور پھر قیامت کے قریب تشریف نہ لاویں گے اور اس بنا پر جو احادیث عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے متعلق ہیں ان میں تحریف کی ہے کہ اس سے مراد مثیل عیسیٰ ہے اور پھر اس مثیل کا مصداق اپنے کو قرار دیا ہے اور اس مدعا کے کل شبہات کے دو امر ہیں، ایک نقلی، دوسرا عقلی۔ نقلی یہ کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حق تعالیٰ نے آپ کے بارے میں لفظ مُتَوَفِّیکَ فرمایا ہے۔ عقلی یہ کہ جسدِ عنصری کا آسمان پر جانا محال ہے اور اس بنا پر قصۂ معراج میں تاویل کی ہے۔ نقلی دلیل کا جواب ظاہر ہو گیا کہ اگر متوفیک کے معنی وفات کے بھی لئے جاویں، تب بھی یہ وعدہ باعتبار وقت نزول من السماء ہے۔ اس سے وقوع موت یا نفی رفع یا حیات فی الحال کی لازم نہیں آتی اور دوسرے دلائل سے رفع و حیات ثابت ہے۔ پس اس کا قائل ہونا ضروری ہے۔ رفع تو آیت "رَفَعَهُ اللّٰهُ" سے جو اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے نص ہے رفع الجسد میں بلا اور بلا تعذر معنی حقیقی کے مجازی لینا ممتنع ہے اور دلیل تعذر مفقود ہے اور حیات احادیث و اجماع سے ثابت ہے۔"[1]

حضرت تھانویؒ نے یہاں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" اور امام سیوطیؒ کی "الدر المنثور" و ابن اثیر سے احادیث نقل کیا ہے، پھر علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے اور عقلی دلیل کے جواب میں لکھا ہے:

"اور عقلی دلیل کے جواب کے لئے "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" کافی ہے، البتہ جو امور ممتنع بالذات ہیں وہ عموم شی سے مستثنیٰ ہیں، ان کا عدم وقوع یقینی ہے اور رفع الجسد کا امتناع نہ ثابت ہوا اور نہ ثابت ہو سکے گا۔ پس دعویٰ مدعی کا محض باطل اور گمراہی ہے اور تحریف احادیث کی بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ پھر یقین مصداق ترجیح بلا مرجح ہے۔ دوسرا شخص ایسے مثیل ہونے کا اپنے لئے دعویٰ نہیں کر سکتا۔"[2]

حضرت تھانویؒ کا فقہی و منطقی طرزِ استدلال

حضرت تھانویؒ نے اس بحث میں منطقی و فقہی طرز پر استدلال اور فقہی منطقی اصلاحات کا استعمال کیا ہے۔ عموم شی، امتناع، بناء الفاسد علی الفاسد، ترجیح بلا مرجح۔ اس بحث کے علاوہ بھی انہوں نے دوسری جگہوں پر بحث کرتے ہوئے منطقی قواعد و اصول کی رعایت کی، جس کا

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۲۳ [2] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۲۳، ۲۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

اہم ترین فائدہ تو یہ ہوا کہ ہے کہ جس وقت وہ کتاب لکھ رہے تھے اور جن لوگوں کو سامنے رکھ کر تفسیر کر رہے تھے ان کا دماغ منطقی طرزِ استدلال اور منطقی اصطلاحات سے مانوس تھا اور اس طرز کو اختیار کرنے سے طویل خامہ فرسائی سے نجات مل گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کی تفسیر جامعیت کی شکل میں آ گئی ہے اور تمام مباحث ضرور یہ اس کے اندر جمع ہو گئے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی متکلمانہ جامعیت وعبور اور دقیقہ رسی کا اندازہ ''بیان القرآن'' کی یہاں اور دوسری جلد میں زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ ان میں کلامی مباحث پر زیادہ لکھا ہے اور آخر کی جلدوں میں کلامی آیات کی مناسبت سے سابقہ بحثوں کے حوالے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے ان کلامی مباحث کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے کلامی آرا کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے اور تفسیر قرآن کو متکلمین اسلام کی آراء کا میدان نہیں بنایا ہے، لیکن اس کے باوجود کلامی مباحث کے سلسلے میں جن کتابوں سے مدد لی ہے اور ان کا کچھ تذکرہ ''بیان القرآن'' میں ملتا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) روح المعانی، سید محمود آلوسی۔ (۲) الصریح بما تواتر فی نزول المسیح

(۳) رسالۃ التوجیہ الیٰ مافیہ التشابہ (۵) رسالہ العرش وغیرہ

علم کلام کے لئے بیان القرآن قابل اہمیت ہے

اگر چہ متقدمین کے یہاں تفسیر کا کافی ذخیرہ ہے اور انہوں نے قرآن کے کلامی حصوں پر تفصیل وتحقیق سے بحث کی ہے مگر اس کے باوجود اس دور کے کلامی شبہات کے لئے وہ تفسیریں مکمل طور پر کفایت نہیں کرتی ہیں کیوں کہ یہ شبہات ان شبہات سابقہ سے کچھ نئے ہیں، اگر چہ مکمل طور پر نئے نہیں ہیں، اس لئے موجودہ علم کلام کے لئے حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' عظیم اہمیت کی حامل ہے، جس میں اختصار وتحقیق کے ساتھ مسلک سلف کی پوری پوری وکالت ہے اور وارد شدہ شبہات کا تحقیقی جواب بھی دیا گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ کو شاہ ولی اللہؒ کے فکری نہج اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے کلامی مباحث سے بڑی روشنی ملی ہے۔ اس لئے ان کی فکر کلامیات میں صائب اور گہری رہتی ہے اور وہ خدا کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذات وصفات کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں اور کلام خداوندی قرآن مجید کے اوپر وارد شدہ شبہات کا تحقیقی جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ''بیان القرآن'' اول میں کفار قریش کی شقاوت ازلی کے بارے میں جو دقیق ترین تحقیق پیش کی ہے وہ فکر وتحقیق کا بہترین کارنامہ ہے۔ اس تحقیق میں انہوں نے معقولات کو محسوسات کے پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ آیت ''ان الذین کفروا سواء علیھم أانذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں، برابر ہیں ان کے حق میں، خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔''[1]

ف: کوئی یوں شبہ نہ کرے کہ کافر تو بہت سے ایمان لے آتے ہیں، بات یہ ہے کہ اس آیت میں سب کافروں کا بیان نہیں ہے بلکہ خاص ان کافروں کا ذکر ہے جن کی نسبت خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا اور اس آیت سے یہ غرض نہیں کہ ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے اور احکام سنانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو رسولِ مقبول ﷺ کا خاص منصبی کام تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان لانے کی فکر نہ کریں اور ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں۔ اُن کے ایمان لانے کی امید نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر ایسوں کو احکام سنانا عبث ہوا۔ تو عبث فعل رسول اللہ ﷺ کو کیوں سپرد ہوا۔ بات یہ ہے کہ عبث اس کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہاں اگر ان لوگوں کو فائدہ نہ ہوگا، نہ ہو، رسول مقبول ﷺ کو فائدہ ہوگا کہ ادائے پیغام کا ثواب ملے گا، پھر عبث کیسے ہوا؟

مزید محسوسات کے ذریعہ ایک اہم شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''**تنبیہ**: کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت یوں خبر دیدی اور خدا تعالیٰ کی خبر کے خلاف واقع ہونا محال ہے، تو اب ایمان نہ لانے میں ان کو معذور سمجھنا چاہئے۔''

بات یہ ہے کہ یہ فرمانا تو ایسا ہے جیسے طبیب حاذق کسی مریض مبتلائے دق کی

[1] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

نسبت کہے کہ اس کی دق درجۂ چہارم پر پہنچ گئی ہے، یہ اب اچھا نہ ہوگا۔ سو ظاہر ہے کہ وہ مریض اس طبیب کے اس کہنے سے مدقوق نہیں ہوگیا، مدقوق تو اپنی کسی بے احتیاطی کے سبب پہلے سے ہے بلکہ طبیب کا یہ کہنا خود اس کے مدقوق ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی طرح یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کافر کا نا قابل ایمان ہونا اللہ تعالیٰ کی اس خبر دینے سے نہیں ہوا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے نا قابلِ ایمان ہونے کی وجہ سے ہوا ہے اور نا قابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت وعناد ومخالفت حق کے سبب پیدا ہوئی ہے۔''[1]

اس طرح حضرت تھانویؒ کی عبقریت معقول ومنقول کے درمیان ''بیان القرآن'' میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ متقدمین میں سے فرق مبتدعہ معتزلہ وغیرہ پر بھی حاشیہ کی عربی عبارت میں تردید کرتے ہیں، البتہ موجودہ دور کے مستشرقین کی تردید حوالہ کے ساتھ ان کی تفسیر میں نہیں ملتی ہے۔

تفسیر بالماثور اور بیان القرآن

حضرت تھانویؒ کی تفسیر کی خاص خوبی ان کا سلف صالحین کے مضبوط اصولوں اور تفاسیر کی پیروی ہے۔ حضرت تھانویؒ کا پایۂ علم حدیث میں بھی عمیق اور وسیع تھا۔ وہ ایک متبحر عالم حدیث اور دقیق الفکر محدث تھے۔ ان کی حدیثی واقفیت کا صحیح اندازہ اس کتاب سے ہوتا ہے جس کی تالیف انہوں نے اپنی نگرانی میں علامہ ظفر احمد تھانویؒ سے کرائی تھی۔ چوں کہ احادیث پر ان کو کامل عبور تھا اور قرآن کے شارح اوّل رسول اللہ ﷺ کی تفسیروں سے وہ واقف تھے اور قرآن کے خدائی کتاب کی حیثیت سے اس کی عظمت وجلالت، رسول خداؐ کی عصمت اور دیگر انسانوں کی بشری بھول وچوک سے آگاہ تھے، اس لئے وہ اولاً رسولِ خدا کی تفسیر کو جگہ دیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کسی کا قول اختیار نہیں کرتے۔

چنانچہ وہ خود اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

[1] بیان القرآن، ج۱، ص:۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

''جن آیات کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے اس کے مقابلے میں کسی کا قول نہیں لیا گیا ہے۔''

روایاتی تفسیر کا انہوں نے اس قدر التزام کیا ہے کہ حاشیہ کی عربی عبارتیں مستقلاً روایت کی صحت وسقم اور ضعف وصلابت پر بحث کرتے ہیں اور اس طرح ان تمام احادیث کا احاطہ کرلیا ہے جو کتبِ حدیث میں قرآنی آیات کی تفسیر سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں صحاح ستہ کے علاوہ جو حدیث کا ذخیران کے پیش نظر رہتا تھا وہ لباب النقول، در منثور اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ تفسیری روایات میں حضرت تھانویؒ کا التزام صرف صحیح روایتوں کا ہے۔ جیسا کہ اس کی صراحت انہوں نے اپنے مقدمہ میں کی ہے۔[1]

حضرت کے اس اسلوب کا اندازہ سورہ بنی اسرائیل کی وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ الخ[2] کے ضمن میں بیان کی گئی اس طویل روایت سے ہوتا ہے:

وفی الدر المنثور اخرج ابن اسحاق و ابن جریر وابن المنذر عن الحسن رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ ﷺ اصبح یحدث بذلک فکذب به أناس فانزل اللّٰہ فیمن ارتد وما جعلنا الخ و فیه اخرج ابن المنذر عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما فی قوله والشجرة الملعونة قال ملعونة لان طلعها کانه رؤس الشیاطین وهم ملعونون و فی اللباب اخرج الحاکم والطبرانی وغیره عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال سال اهل مکة النبی ﷺ ان یجعل لهم الصفا ذهبا و ان ینحی عنهم الجبال فیزرعوا فقیل له ان شئت ان تستانی بهم (ای منتظر) و ان شئت نؤتهم الذی سالوا فان کفروا اهلکوا کما اهلکت من قبلهم قال بل استأنی بهم فانزل اللّٰہ تعالیٰ وما منعنا ان نرسل بالآیات الخ و فی

---

[1] بیان القرآن، ج۱، مقدمہ ص: ۵ [2] سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۶۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللباب اخرج ابن ابی حاتم والبیهقی فی البعث عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لما ذکر الله الزقوم خوف به هذا الحی من قریش قال ابو جهل هل تدرون ما هذا الزقوم الذی یخفوکم به محمد قالوا لا قال الثرید بالزبد اما لئن امکننا منها لنزقمنها زقما فانزل الله والشجرة الملعونة فی القرآن و نخوفهم فما یزیدهم الا طغیاناً کبیراً او انزل ان شجرة الزقوم طعام الاثیم و فیه اخرج جریر عن قتادة قال قال ابوجهل زعم صاحبکم هذا ان فی الناس شجرة والنار تاکل الشجرة و انا والله ما نعلم الزقوم الا التمر او الزبد فانزل الله حین عجبوا ان یکون فی النار شجرة تخرج فی اصل الجحیم۔[1]

حدیث کے بعد جس بنیاد پر انہوں نے تفسیر لکھی ہے، وہ صحابہؓ کا تعامل ہے، اس لئے سلف صالحینؒ جنہوں نے صحابہؓ کی تفسیروں پر اپنے اقوال کی بنیاد رکھی ہے ان کے مقابلہ میں متاخرین کے اقوال کو جو سلف صالحین کے خلاف تھے انہوں نے نہیں لیا ہے۔ چوں کہ انہوں نے تفسیر بالماثور عن الرسول وعن الصحابہ کی پیروی کی ہے اور بیان القرآن میں احادیث نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کی پوری رعایت رکھی ہے اور ساتھ ساتھ امور عقلیہ کا بھی التزام کیا ہے، اس لئے ان کی یہ تفسیر اردو تفاسیر کے درمیان تحقیق وتنقید اور تدقیق وتنقیح کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے جس سے نقلیات کا صحیح علم اور روایتوں کی صحت وضعف کا عرفان ہوتا ہے۔

یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ حضرت تھانویؒ تفسیر میں روایتوں کی صحت اور تفسیر بالماثور کے التزام میں پہلے شخص نہیں ہیں بلکہ ان سے قبل ''فتح المنان'' کے مصنف شاہ عبدالحق حقانی دہلوی اپنی تفسیر میں روایات صحیحہ اور تفسیر بالماثور کا نمونہ پیش کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس طریقہ تفسیر کا ذکر ''فتح المنان'' کے مقدمہ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس تفسیری روایت کو کتب حدیث سے اور درایت اس فن کے علماء محققین سے

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۳۸۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہایت احتیاط کے طور پر جمع کیا ہے۔"

نیز لکھتے ہیں:

"کوئی حدیث بغیر مستند کتب صحاح ستہ وغیرہا کے نہیں لائے۔"[1]

قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی شانِ نزول میں مفسرین کی حدیثی واقفیت کی کمزوری سے بہت موضوع اور باطل احادیث داخل ہوگئی تھیں۔ اس لئے حضرت تھانویؒ نے شانِ نزول کے باب میں اس کا خاص اہتمام کیا ہے کہ ضعیف یا موضوع احادیث نہ آنے پائیں۔ شانِ نزول کے بیان میں احادیث وروایات آپس میں متعارض ومتصادم بھی ہوتی ہیں اور بعض مرتبہ ایک ہی آیت کے بارے میں مختلف صحابہؓ سے مختلف واقعات نزول منقول ہوئے ہیں۔ ایسی جگہوں پر انہوں نے حاشیہ کی عربی عبارت میں تطبیق دی ہے۔

چنانچہ انہوں نے اختلاف کے وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اعلم انه ربما يقع اختلاف بين الروايات فى سبب النزول و وجه الجمع بينهما ان السبب واحد منها والاخرى مقصودها بيان دخول الحكم الفلانى فى عموم الآيه، لا بيان السبب كما نقل السيوطى فى "لباب النقول" عن الزركشى، قال فى البرهان قد عرف من عادة الصحابة والتابعين ان احدهم اذا قال نزلت هذا الاية، فى كذا، فانه يريد بذلك انها تتضمن هذا الحكم، لان هذا كان السبب فى نزولها فهو من جنس الاستعمال علم الحكم بالآية لامن جنس النقل لما وقع."

اس کے آگے لکھتے ہیں:

"اور ایک صورت جمع کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آیت بعد واقعات متعددہ کے نازل ہوئی اور چوں کہ آیت میں خود اشارہ کسی واقعہ مخصوصہ کی طرف ہوتا نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض لوگ تو کسی کو سبب نزول کا سمجھ رہے ہیں اور

[1] تفسیر حقانی، ج۱، ص: ۱۲۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعض لوگ دوسرے واقعہ کو اور اسی بناء پر اختلاف روایات اسباب نزول، آیت میں آ گیا ہو، و نیز مجموعۂ واقعات بھی سبب نزول آیت ہو سکتے ہیں۔"[1]

تفسیر بالماثور کا دوسرا اہم فائدہ صفات الٰہی، معجزات وغیرہ کے باب میں آتا ہے۔ کلامیات کے سلسلے میں احادیث نبویؐ اور تفاسیر سلف صالحین کو جن لوگوں نے مدِّ نظر نہیں رکھا ہے وہ افراط و تفریط کے بلکہ تاویل و تحریف کے سرے تک جا پہنچے ہیں۔ عقائد کے بارے میں وہ تشریح معتبر ہوتی ہے جو خود آں حضرت ﷺ و سلف صالحین سے مروی ہوں۔ ان کے علاوہ دیگر تفاسیر و تشریحات جو ان کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ ہوتی ہیں معتبر نہیں ہوتی ہیں کیوں کہ خدائے لم یزل کی ذات بے چون و چگوں اور ماورائے سر حد ادراک ہے۔

علمائے اہل سنت والجماعت

پھر علمائے اہل سنت کے پاس سلف صالحین کی تفسیروں کا ذخیرہ ہے اور پھر اہل سنت والجماعت کا مزاج خود تفسیر بالماثور کا ہے۔ وہ احادیث اور اقوالِ صحابہؓ سے ہٹ کر تفسیر کرنا صحیح نہیں سمجھتے تھے، اس لئے جب حضرت تھانویؒ تفسیر لکھنے کے لئے بیٹھے تو انہوں نے بھی کتب سلف کی تفسیروں کو سامنے رکھ کر اردو میں "بیان القرآن" لکھی۔ چنانچہ خاص طور پر انہوں نے جن کتابوں کو سامنے رکھا ان تفسیروں میں روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر الدر المنثور، تفسیر بیضاوی، معالم التنزیل، خازن وغیرہ ہیں۔ یہ تمام تفسیریں تفسیر بالماثور کی پیروی کرتی ہیں اور ان کے اندر رسول اللہ B، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی تفسیریں یکجا ملتی ہیں۔ اس لئے حضرت تھانویؒ کو تفسیر بالماثور کے لئے زیادہ کاوش نہیں کرنی پڑی ہے۔ کتابیں دستیاب تھیں اور معتمد تھیں اس لئے ان سے نقل کرنے پر اعتماد کر کے تفسیر لکھی ہے۔

قرآن عائلی و اجتماعی مسائل کو بھی زیر بحث لاتا ہے

علوم اسلامیہ میں علم تفسیر کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، اس لئے علم تفسیر کا موضوع "کتاب اللہ" ہے جو پورے دین کی اساس ہے۔ اس لئے فہم قرآن اہم ترین دینی فریضہ

[1] حاشیہ خطبہ بیان القرآن، ج ۱، ص: ۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اور قرآن کا موضوع ہدایت ہے۔ انسان اپنی معاش و معاد دونوں ہی میں ہدایت الٰہی کا محتاج ہے، اس لئے کہ اس کائنات کا مطالعہ ایسے خالق کی نشان دہی کرتا ہے جو حی و قیوم اور قادرِ مطلق ہے اور ساتھ ہی ساتھ رحمان و رحیم بھی، صاحبِ عدل بھی اور صاحبِ عفو بھی۔ انسان اس خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ خدائے رحمان و رحیم نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نبیؑ بھیجا اور نبیوں پر کتابیں اتاریں اور سب سے آخری نبی محمد ﷺ اور سب سے آخری کتاب ''قرآن'' کا نزول ہوا۔ پس قرآن انسان کی دنیوی زندگی کو اس صراطِ مستقیم پر چلانے کے لئے نازل ہوا جو اس کے لئے نہ صرف یہ کہ دنیا میں امن و راحت اور سکون و طمانیت روحانی کا ذریعہ، بلکہ آخرت میں بھی نجات و فلاح کا ضامن ہو۔

اسی طرح قرآن انسان کی انفرادی، عائلی اور اجتماعی زندگی کو زیر بحث لاتا ہے، قومی اور بین الاقوامی تعلقات پر گفتگو کرتا ہے، معاہدات کے اصول بتاتا ہے، معاشرتی تعلقات کی استواری کے طریقے بتاتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ کاروبارِ تجارت میں کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ حکمرانی کے کیا اصول ہیں؟ اور جنگ و صلح کے کیا ضابطے ہونے چاہئیں۔ اس طرح ایک انتہائی مہذب اور وسیع تر سوسائٹی کو منظّم کرنے کے لئے جامع ترین قوانین اپنی ساری شاخوں کے ساتھ قرآن کا موضوع ہیں۔

قرآن کتابِ عبرت و نصیحت بھی ہے، اس کی باتیں دلوں کو چھو لیتی ہیں، وہ مخاطب کے دلوں میں چھپی معرفتِ حق کی چنگاری کو سلگانے کے لئے کائنات میں چھپی ہوئی نشانیوں کو نمایاں کرتی ہے اور اس طرح قرآن مقصدِ ہدایت و تذکیر کی تحصیل کے لئے سینکڑوں طبعیاتی حقائق پر سے پردے اٹھاتا ہے۔

اور نہ صرف یہ بلکہ زمانے کی راکھ تلے دبے ہوئے تاریخی واقعات کو درسِ عبرت بنا کر پیش کرتا ہے اور ماضی کی روشنی میں سبق حاصل کر کے مستقبل کی تعمیر کی ہدایت کرتا ہے۔ اس طرح قرآن کلامی حقائق، فقہی مباحث، قانون، اصولِ قانون، فلسفہ قانون، طبعیات و مابعد الطبعیات، نفسیات، مظاہر قدرت اور تاریخ وغیرہ سبھی قسم کے مباحث کو اپنے مختصر سے حجم میں سمیٹے ہوئے ہے جو براہِ راست یا بالواسطہ ہدایت انسانی کے موضوع سے متعلق

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو سکتے ہیں اور جن کتابوں کا موضوع اتنا وسیع ہو، ظاہر ہے کہ اس کی تفسیر وتشریح کا فرض بھی اتنا ہی وسیع نازک اور اہم ہوگا۔

یہ تو معانی ومضامین قرآن اور اس کے علوم کی طرف ہلکا سا اشارہ ہوا، ورنہ یہ ایسا بحرِ ذخّار ہے جس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ دشوار ہے اور جیسے جیسے علم وتحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا علومِ قرآنی کی وسعت کا مزید انکشاف ہوتا جائے گا۔

دوسری طرف قرآن کے اسالیب بیان، اس کی تعبیرات، اس کے امثال، استعاروں اور مجازات وکنایات کسی بھی مفہوم کے بیان کے لئے منتخب کئے گئے، مفرد الفاظ، جملوں کی تراکیب، کلمات اور جملوں کی فصاحت، موقع کلام، مخاطب کے حالات اور ان کی ذہنی و نفسیاتی کیفیات کے متضاد تقاضوں کی رعایت، تحسین کلام کے لئے مختلف صنعتوں کا استعمال اور قرآن کے معجزانہ طرزِ بیان، یہ سب کچھ اپنے دامن میں قرآن کے طالب علم کے لئے علم وتحقیق کی ایک وسیع دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔

بیان القرآن اور فقہ اسلامی

حضرت تھانویؒ ایک عبقری انسان تھے، ان کی نگاہ تمام علومِ اسلامیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، کلام اور تصوف میں گہری اور عمیق تھی۔ وہ بیک وقت محدث بھی تھے اور مفسر بھی، فقیہ بھی تھے اور متکلم وصوفی بھی، اس لئے قرآن کریم جو ان کی نظر وفکر کا محور اصلی ہے اس کی تفسیر میں ان کی حدیثی، فقہی، کلامی اور تصوفی خصوصیات وصفات تمام تر نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ حضرت تھانویؒ کو فقہ پر کامل عبور تھا اور ان کی نگاہ فقہ کے جزئیات وکلیات پر حاوی اور عمیق تھی۔ اس لئے تفسیر قرآن میں اکثر فقہی آیات پر فقہی مسائل کے ساتھ فقہی اصول وکلیات اور استنباط واستخراج کے طریقوں کی مختصر وضاحت کرتے ہیں۔ چوں کہ انہوں نے اپنی تفسیر عام طور پر طبقہ متوسط کے پیش نظر لکھی ہے۔ اس لئے وہ قرآن کی تمام فقہی آیات پر ایک فقیہ کی حیثیت سے نہیں لکھتے ہیں اور جہاں اصول واستنباط اور طرق استخراج کا بیان کرتے ہیں وہ تفسیر کی متن میں نہیں لکھتے ہیں بلکہ حاشیہ کی عربی عبارت میں لکھتے ہیں۔ البتہ مسائل کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیان میں وہ توسع برتتے ہیں اور اس کو عامۃ الناس کے فائدے کے پیشِ نظر اصل متن تفسیر میں لکھتے ہیں، لیکن ان کے اصل فقہی تبحر کا اندازہ حاشیہ کی عربی عبارت میں ہوتا ہے۔

اگر حضرت تھانویؒ کی تفسیر کی فقہی حیثیت کا موازنہ متقدمین کی فقہی تفسیروں سے کیا جائے جو علماء وفقہاء کے لئے لکھی گئی ہیں تو بے جا موازنہ ہوگا، لیکن اگر ان کے ہم عصر مفسرین کی تفسیروں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ان کی تفسیر کے اندر ایک عظیم کارنامہ ہوگا۔ خصوصاً جب کہ اُن کے وقت کی دیگر اردو تفسیروں میں فقہی استنباط واستخراج مسائل کی طرف اشارہ تک نہیں ہوتا ہے۔ وہ اپنی تفسیر کے اندر استخراج واستنباط کے طریقوں کی وضاحت کرتے ہیں اور مسائل مستنبط کر کے تفسیر کے طالب علم کے ذہن سے اپنے زمانہ کے اندر فقہاء مجتہدین کے ارد گرد پھلائے گئے شبہات کو دور کرتے ہیں اور فقہ سے واقف شخص کا ذہن فقہی استخراج واستنباط کی طرف مائل ہوتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے اسی فقہی اشارے کا عظیم نتیجہ ہمارے سامنے تفسیر ''معارف القرآن'' کی شکل میں ہوتا ہے جس کے اندر حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ معارف و مسائل کے عنوان سے ہر جگہ فقہی استنباط واستخراج کے اصول کے ساتھ عصرِ حاضر کے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا فقہی استنباط

حضرت تھانویؒ فقہی استنباط میں عصر حاضر کے ذہن کی رعایت سے بعض جگہ دورِ جدید کے مسائل پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں اور بعض جگہوں پر ان مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں جن سے دور جدید کے گمراہ ذہن پر خدا کی صراطِ مستقیم واضح ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ''

(اے ایمان والو! تم (فقط) راعنا مت کہا کرو (اور اگر اس کے ظاہری مطلب عرض کرنے کی ضرورت پڑا کرے) تو (لفظ) انظرنا کہہ دیا کرو (کہ اس کے بھی یہی معنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں کہ ہماری مصلحت پر نظر فرمایئے اور اس حکم کو اچھی طرح) سن لیجیو اور یاد رکھیں کہ کافروں کو سزائے دردناک ہی ہوگی) کے ذیل میں فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر آپ کے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا ہے۔ مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلافِ شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اسی عالم کے لئے بھی منع ہو جائے گا۔''

اسی آیت کے ذیل میں حاشیہ کی عبارت میں لکھتے ہیں:

الفقه نهى المومنون سد اللباب و قطع للالسنة و ابعاد عن المشابهة . روح المعانى. فدلت الاية على ذم امثال هذه الامور مما يجر الى المفاسد كذلك.[1]

اس آیت کے مشہور اصول سد الذریعۃ الی الفساد' استخراج کر کے دور حاضر کے بہت سارے منکرات اور ان امور مباحات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے بعض مرتبہ منکرات اور محرمات پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ان کو چھوڑنا بھی اس اصول کے تحت واجب ہوگا۔ اسی طرح عصرِ جدید کے پیدا کردہ اس گمراہ کن اصول کی انہوں نے تغلیط کی ہے جہاں مشورہ میں کثرت رائے کا اعتبار ہوتا ہے وہ آیت **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ.**

(اور آپ ﷺ ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ کرتے رہا کیجئے، پھر جب آپ ﷺ بھی رائے پختہ کر لیں تو خدائے تعالیٰ پر اعتماد کیجئے) کے تحت لکھتے ہیں:

(ترجمہ وتشریح) ''اور بدستور ان خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہیئے تاکہ اس سے ان کا جی خوش ہو، پھر مشورہ لینے کے بعد جب آپؐ ایک رائے پختہ کر لیں، خواہ وہ ان کے مشورہ کے مطابق ہو یا مخالف سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کر کے اس کام کو کر ڈالئے۔''

ترجمہ وتشریح کے بعد فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص: ۵۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اور یہ کہ جو کہا گیا کہ خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ لفظ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی گئی اور اس سے معلوم ہوا کہ امورِ انتظامیہ متعلقہ بالرائے والمشورہ میں کثرت رائے کا ضابطہ محض بے اصل ہے ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو۔''[1]

حضرت تھانویؒ نے یہاں کثرت رائے کے اعتبار کی تغلیط کی ہے، لیکن اس سلسلے میں انہوں نے کچھ نہیں لکھا ہے کہ یہ حکم کیا صرف نبی کے ساتھ خاص ہے یا امیر وقت بھی اس حکم کا مخاطب ہے؟

مولانا ابوالکلام آزاد جو حضرت تھانویؒ کے معاصر ہیں۔ انہوں نے تفسیر میں لکھا ہے:

''اس بارے میں دستور العمل یہ ہے کہ جماعت سے مشورہ کرو، پھر مشورہ کے بعد کسی ایک بات کا عزم کرلو اور جب عزم کرلیا تو اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ۔ شوریٰ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے۔ عزم اپنے محل اور وقت میں، جب تک مشورہ نہیں کیا ہے، فیصلہ وعزم کا سوال نہیں اٹھتا ہے، لیکن جب مشورہ کے بعد عزم کرلیا گیا تو وہ عزم ہے اور کوئی رائے، کوئی نکتہ چینی، کوئی مخالفت اسے متزلزل نہیں کرسکتی۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ صاحبِ عزم ہو۔''[2]

مولانا آزاد نے اگرچہ اس مسئلہ کی پوری وضاحت نہیں کی ہے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولاناؒ کے نزدیک مشورہ جو بھی فیصل ہو، اس کی تنفیذ کے لئے عزم امام کی ضرورت ہے اور پختگی کے ساتھ شوریٰ کے فیصلے پر جمنے کی تلقین ہے۔ البتہ مولانا محمد شفیع نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت کی ہے اور حضرت تھانویؒ کے مسلک کی تشریح کی ہے۔ البتہ اخیر میں اس کی صراحت کردی ہے کہ امیر المومنین اختلاف رائے کی صورت میں اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کرسکتا ہے، خواہ وہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لئے جس طرح دوسرے

[1] بیان القرآن، ج ۲، ص ۶۸ [2] ترجمان القرآن، ج ۱، ص: ۳۱۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

دلائل پر نظر رکھے گا، اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لئے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔[1]

حضرت تھانویؒ حنفی المذہب اور صوفی المشرب تھے، اس لئے احکام کے استنباط و استخراج میں حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ان کی تفسیر ''بیان القرآن'' میں صرف وہی استخراج ملتے ہیں جن کی احناف نے تخریج کی ہے، اس لئے وہ احکام ومسائل کے اصول کے بیان کے وقت تفسیر ''روح المعانی'' جو حنفی مذہب کی تفسیر ہے اور احکام ومسائل میں حنفیت کو راجح قرار دیتے ہیں اس کے اصول واشاریے اور تصریحات اپنی تفسیر کے اندر حاشیہ کی عربی عبارت میں درج کرتے ہیں۔

نیز اگر کسی آیت کے ضمن میں مسائل کے بیان کی ضرورت ہے تو وہ اسے ناقص نہیں چھوڑتے بلکہ تمام مسائل تفصیل سے بیان کرتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ کی آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلاَعَادٍ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ.[2]

(اللہ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا ہو، پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ قدر حاجت سے تجاوز کرنے والا ہو، تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا، واقعی اللہ تعالیٰ ہے بڑا غفور ورحیم)

اس آیت کے ضمن میں مسائل بیان فرماتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں کہ:

''**مسئلہ**: جس جانور کا ذبح کرنا شرعاً ضروری ہو اور بلا ذبح ہلاک ہو جائے وہ حرام ہوتا ہے اور جس جانور کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے وہ دو طرح کے ہیں: ایک ٹڈی اور مچھلی دوسرے وحشی جیسے ہرن وغیرہ جب کہ اس کے ذبح پر قدرت نہ ہو تو اس کو دور ہی سے تیر یا اور کسی تیز ہتھیار سے اگر بسم اللہ کہہ کر زخمی

[1] خلاصۃ از تفسیر معارف القرآن، ج ۲، ص: ۲۲۷ [2] سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا جاوے تو حلال ہو جاتا ہے۔ البتہ بندوق کا شکار بدونِ ذبح کئے ہوئے حلال نہیں۔ کیوں کہ گولی میں دھار نہیں ہوتی۔

مسئلہ :خون جو بہتا نہ ہو اس سے دو چیزیں مراد ہیں، جگر اور طحال۔ یہ حلال ہیں۔

مسئلہ :خنزیر کے سب اجزاء اللحم وشحم وپوست واعصاب سب حرام بھی ہیں اور نجس بھی ہیں۔ مسئلہ: جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کر دیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کر دیں گے جیسا اکثر عام جاہلوں کی عادت ہے کہ اسی نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں وہ حرام ہو جاتا ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو، البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر وہ حلال ہو جاتا ہے۔

تنبیہ :اس مسئلہ میں بعض خواندہ لوگوں کو غلطی ہوگئی ہے اور وجہ غلطی کی دو ہیں اول یہ کہ آیت سابقہ یٰاَیُّھَا النَّاسُ کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ جو لوگ سانڈھ وغیرہ کی تحریم کرتے تھے ان کی رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سانڈھ وغیر حلال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی تحریم اور اس تحریم مدعی میں چند فرق ہیں۔ اول یہ کہ وہاں تحریم کے معنی میں ایسا فعل کرنا جس سے حرمت پیدا ہو جائے جیسے خود سانڈھ وغیرہ چھوڑنا اور یہاں تحریم کے معنی ہیں کہ جب کوئی ایسا فعل کرے تو حرمت کا حکم ہو جاوے گا۔ دوسرے ان کی تحریم اس جانور کی تعظیم اور ادب کے اعتقاد سے تھی اور یہ تحریم اس جانور کے خبث ونجاست سے ہے۔ تیسرے وہ تحریم ان کے اعتقاد میں مؤبد تھی کہ کسی طرح قابل ارتفاع نہ تھی اور یہ تحریم غیر مؤبد ہے کہ جب توبہ کرو مرتفع ہو جاوے اور یہ مرتفع کر دینا واجب بھی ہے۔ پس اس تحریم کی نفی یا نہی یا انکار سے اس تحریم کی نفی لازم نہیں آتی۔ دوسری وجہ غلطی کی یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے اُھِلَّ کی تفسیر ذبح (علی اسم غیر اللہ) کی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہی جانور مراد ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس کو بجائے بسم اللہ کے غیر اللہ کے نام لے کر ذبح کیا ہو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس تفسیر سے حصر لازم نہیں آتا بلکہ یوں کہا جاوے گا کہ اسی حرام کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ چوں کہ جاہلیت میں اس کا رواج تھا اس لئے یہ تفسیر کر دی گئی غایت مافی الباب یہ تفسیر مذکور دوسری فرد سے ساکت رہے گی، اس میں کچھ ضرر نہیں جب کہ اور دلائل حرمت کے موجود ہیں جن میں ایک تو یہی آیت ہے کیوں کہ اہلال لغۃً عام ہے، مطلق نامزد کر دینے میں خواہ کسی کے نام پر ذبح ہو، پھر یہ دوسری آیت اس سے زیادہ صریح ہے۔ سورہ مائدہ میں ہے کہ بعد مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ جدا فرمایا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس ذبح سے تقریب و تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ تیسرے صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے: لعن اللّٰہ من ذبح لغیر اللّٰہ اور ظاہر ہے کہ ایسی ذبح متنازعہ فیہ پر ذبح لغیر اللہ صادق آتا ہے۔ چنانچہ کتب مذہب میں یہاں تک مصرح ہے کہ اگر کسی حاکم کے آنے پر بطور بھینٹ کے ذبح کرے گو اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو مگر وہ (مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ) میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے کذا فی الدر المختار وغیرہ اور نووی نے بھی حدیث مذکور کی شرح میں ایسے (مذبوح لقدوم الامیر) کی حرمت اسی بناء پر شیخ ابراہیم مروزی شافعی سے نقل کی ہے۔ بعض لوگوں کو تفسیر احمدیہ کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصالِ ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا ہے اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے جیسا اسی قسم کی تاویل سے نووی نے ابراہیم مروزی کے قول کے بعد رافعی کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منتفی ہو اس کو کیسے حلال کہا جائے گا اور عوام کا فعل یقیناً قابل تاویل نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدلے اس سے دونی قیمت کی چیز ان کو دے کر کہا جائے کہ بجائے اس جانور کے اس چیز سے ایصالِ ثواب کر دو ہرگز گوارا نہ کریں اور استبدال میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فسادِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیت یقینی ہے اور یہی مدار تھا حرمت کا، خوب سمجھ لو۔[1]

حضرت تھانویؒ چوں کہ حنفی مقلد تھے اور تقلید عامۃ الناس کے لئے واجب قرار دیتے تھے اس لئے اپنی تفسیر میں کئی جگہ ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو آیات کی غلط تفسیر کے ذریعہ تقلید کا عدم جواز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ آیت: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ.[2]

(اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھیجا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جن پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ ان کے باپ داد (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ کسی آسمانی کتاب کی ہدایت رکھتے ہوں) کے ذیل میں فائدہ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"مطلب یہ کہ وہ خود باپ دادا ہی متمسک بامر اللہ نہ تھے اور تمسک کی دو صورتیں ہوتی ہیں، صریح لفظ کتاب سے جس کو ہدایت سے تعبیر فرمایا اور علت حکم کتاب سے بواسطہ قیاس کے جس کو عقل سے تعبیر فرمایا سو وہ دونوں سے عاری تھے۔ پس ایسے شخص کی تقلید سے کیا گنجائش ہے اور پھر تقلید بھی محلِ سکوت عنہ میں نہیں بلکہ مورد دلیل میں اور خلاف دلیل کے اور اس سے یہ بھی مفہوم ہو گیا کہ اگر کسی بزرگ کی نسبت دلیل صحیح معتبر سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس کا قول مستند الی الدلیل الشرعی ہوتا ہے خواہ وہ دلیل شرعی نص ہو یا قیاس وہ شخص شرعاً اتباع اور تقلید کے قابل ہوتا ہے، جب تک کہ اس کے قول کو کسی دلیل صریح سے معارض ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ پس تقلید ائمہ مجتہدین کی مذمت میں اس آیت کو پڑھ دینا محض بے محل ہے بلکہ اس سے تو اور اس تقلید مجتہدین فی الدین کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔[3]

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ہر حالت میں تقلید کے قائل نہیں ہیں بلکہ اگر کسی کا قول کسی دلیل صریح سے معارض ہوتا ہو تو اس قول کی تقلید نہیں کرتے ہیں۔

---

[1] بیان القرآن، ج۱، ص: ۱۱۹، ۱۲۰ [2] سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۰ [3] بیان القرآن، ج۱، ص: ۱۱۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت تھانویؒ احکام کی تشریح میں روح المعانی کے علاوہ تفسیر احمدیہ سے بھی مدد لیتے ہیں۔ چنانچہ ان کتابوں کا نام ان کی تفسیر بیان القرآن میں آتا ہے۔ اس طرح جزئیات کے بیان میں علامہ ابن عابدین شامی کی کتاب ردالمختار علی الدرالمختار کے حوالے ملتے ہیں۔ علامہ شامی کی یہ کتاب فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی جو مسلک بھی ائمہ احناف کا لکھتے ہیں وہ صحیح ترین قول پر مبنی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں قرآنی آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ کی تفسیر کے ضمن میں نقل کی گئی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

مسائل کے استنباط واستخراج کا طریقہ

حضرت تھانویؒ نے اپنی تفسیر میں احکام ومسائل کے استخراج واستنباط کا جو طریقہ اور معیار قائم کیا ہے اس سے ''بیان القرآن'' کے مطالعہ کرنے والوں کے ذہن کے سامنے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ فقہاء مجتہدین نے مسائل کا استنباط صرف اپنی عقلی قوتوں سے نہیں کیا ہے بلکہ ان کی بنیاد قرآنی آیات ہیں جن سے وہ احکام ومسائل کی تخریج کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی انہوں نے مختلف مقامات پر استنباط کے اصولوں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور سنت رسول واجماع وقیاس کی تشریح کی ہے۔ احکام ومسائل لکھتے وقت احادیث رسول کو مستند کتابوں سے لیتے ہیں، جس سے بآسانی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس کا علم ہوتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ قیاس کے قائل تھے اور منکرین قیاس کی انہوں نے تردید کی، جس وقت یہ تفسیر وہ لکھ رہے تھے ہندوستانی مسلمانوں کا ایک طبقہ جو اپنے کو اہلِ حدیث کہتا تھا، شدت سے قیاس کا منکر تھا اور مطلق تقلید کی تردید کر رہا تھا، درآں کہ قیاس رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اور جس طرح خالص منقولات نبویہ کی اتباع بطریق تعبد کیا جاتا ہے، مستدلات فقہاء کی اتباع عبادت کے طور پر مشروع ہے۔ اس پر بھی عتاب وثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ منقولات نبویہ پر ہوتا ہے کیوں کہ یہ شریعت اللہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں، بلکہ اللہ ہی کے نازل کردہ اصول وکلیات کے تحت ان کا استخراج ہوتا ہے، اس لئے امور تعبدیہ میں اصول وکلیات کے اوپر انحصار کرنا اور ان سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مستخرج جزئیات کا انکار کرنا عقل ونقل دونوں اعتبار سے بلاشبہ غلط وباطل ہے۔

حضرت تھانویؒ نے ان تمام آیات کی صحیح تفسیر کی ہے جن سے تقلید وقیاس کے منکرین ابطال قیاس وابطال تقلید کے لئے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.[1]

(آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو رب قرار دے، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر) کی تفسیر میں تقلید باطل وتقلید صحیح مشروع کا فرق بتاتے ہوئے حضرت نے لکھا ہے کہ:

> اس آیت سے ایسی تقلید کا ابطال ہوتا ہے جیسی اہل کتاب کرتے تھے جس کا ابھی بیان ہوا" اور جو تقلید جمہور اہل اسلام میں اب شائع ہے وہ مشروع ہے اور جس تقلید کا ابطال کیا گیا ہے وہ اہلِ کتاب کی باطل تقلید تھی اور تقلید مشروع اس آیت کے ذیل میں داخل نہیں جس کا محل مسائل ظنیہ محتمل الطرفین ہیں جب تک کہ نص قطعی محکم مجمع علیہ یا اجماع کے خلاف ہونا ثابت نہ ہو ورنہ نص و اجماع کو مقدم رکھا جاتا ہے۔"[2]

منکرین قیاس کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا وہ قیاس کا قائل تھا اور تقلید شخصی کی مخالفت کرتا تھا۔ اس گروہ میں سرسید احمد خاں تھے۔ وہ قیاس کے قائل تھے بلکہ ہر عصر کے مجتہد ہونے کے قائل تھے۔

چنانچہ وہ تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں:

> "مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری ہے۔ کوئی زمانہ مجتہد العصر سے خالی نہیں ہوتا۔"

---

[1] آل عمران، آیت: ۶۴ [2] بیان القرآن ج ۱، ص: ۲۴۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سلسلے میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ کی جلد دوم سے علماء مالکیہ وحنفیہ سے بھی اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔''[1]

لیکن صرف مجتہد العصر کا اعتقاد غلط نہ تھا بلکہ انہوں نے تقلید شخصی کے خلاف جو کچھ لکھا تھا اور علماء احناف کی جانب یہ منسوب کیا تھا کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف بخاری کے اندر وارد شدہ احادیث پر عمل کو بدعت وضلالت کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''دیکھو مثلاً جو حدیثیں حنفی مذہب کے خلاف بخاری میں ہیں حنفی اس پر عمل کرنے کو بدعت یا ضلالت سمجھتے ہیں اور زبان سے بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں۔''

سید احمد خاں کا یہ قول مذہب حنفی کے مستند ہونے کو اٹھا رہا تھا، دراں حالیکہ انہوں نے ان احادیث کی نشان دہی نہیں کی ہے جن پر حنفی عمل نہیں کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے اسی قسم کے شکوک وشبہات کے ابطال کے لئے یہ لکھا ہے:

''اور جو تقلید جمہور اسلام میں اب شائع ہے وہ مشروع ہے اور اس آیت کے مضمون میں داخل نہیں جس کا محل مسائل ظنیہ محتملۃ الطرفین میں جب تک کہ نص قطعی محکم مجمع علیہ یا اجماع کے خلاف ہونا ثابت نہ ہو، ورنہ نص واجماع کو مقدم رکھا جاتا ہے۔''[2]

اس عبارت سے انہوں نے اس غلطی کی نشاندہی کردی ہے جو شائع ہوگئی تھی کہ حنفی یا مقلدین حدیث کو چھوڑ کر اپنے ائمہ کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ یا دوسرے علماءِ دیوبند اجتہاد کے دروازے کو بند تصور نہیں کرتے ہیں۔ البتہ اجتہاد کے جو شرائط ہیں ان کو وہ ضروری قرار دیتے ہیں اور چوں کہ عصرِ حاضر یا ماقبل کے عصور میں ان شرائط کی جامع شخصیات نہیں پائی جاتی تھیں، اس لئے عہد اجتہاد کو بند تصور کرتے تھے۔

---

[1] تہذیب الاخلاق، ج ۲، ص: ۱۸۲ [2] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۲۴۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورہ نساء کی آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ الخ۔[1]

(اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی) کے ضمن میں حضرت تھانویؒ فکر و استدلال اور قیاس کی نیز تقلید کی ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''وہ احکام جو محل اختلاف بنے ہیں منصوص و مشہور نہیں ہیں تا کہ بلا واسطہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کر سکیں، پس لامحالہ وہ خفی اور دقیق ہیں جن کا مدلول کتاب وسنت ہونا محل اختلاف ونزاع ہو گیا اس لئے کسی واسطہ کی ضرورت ہوگی جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے تھے جب تک تو آپ ہی کا واسطہ کافی تھا، لیکن بعد آپ کی وفات کے وہ واسطہ بجز استفتاء کے کیا ہوسکتا ہے۔ پھر جب بعض احکام خفی و دقیق بھی ہیں تو ضرور ان کے مصادیق نصوص ہونے کے لیے فکر و استدلال درکار ہوگا، یہی شرع میں قیاس کہلاتا ہے اور ممکن ہے کہ بعض طرق استدلال کے فریقین مختلفین کی فہم سے عالی ہوں کیوں کہ ہر حاکم اور ہر محکوم کا قادر علی الاستدلال ہونا یا عالم بالاستدلال ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ مشاہد ہے پھر بجز اس کے کہ فریقین ان علماء کے افتاء کے بعد بے انتظار علم دلیل عمل کر لیں اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔ ایسے ہی عمل کو تقلید کہتے ہیں، البتہ اگر حاکم خود بھی حسب شرائط معتبرہ قوت قیاس کی تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اولوالامر کی تفسیر اگر خاص حکام کے ساتھ ہی کی جاوے جیسا متبادر یہی ہے اور علماء کو اس میں داخل نہ کہا جاوے تب بھی دوسرے جزو یعنی فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْل میں علماء کے اتباع کا وجوب آ گیا بلکہ حکام کی اطاعت سے بھی زیادہ کیوں کہ علماء کو خود حکام کا متبوع بھی قرار دیا، پس یہ متبوع المتبوع ہو گئے اور چوں کہ حکم آیت کا ہر زمانہ کے لئے عام تھا اس لئے اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ

[1] سورہ نساء، آیت: ۵۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ترجمہ میں رسول کے ساتھ لفظ سنت کا اظہار کر دیا کیوں کہ بعد وفاتِ نبویؐ یہی ممکن ہے، البتہ اس رد کے لئے یہ ضرور نہیں کہ استدلال ہمیشہ ہر زمانے میں تازہ ہوا کرے بلکہ جو استدلال مدون ہو چکے ہیں ان پر عمل کرنا بھی رد میں داخل ہے۔ پس اس سے اہل اجتہاد کا ہر وقت میں موجود رہنا لازم نہیں آتا اور اتفاق و اختلاف میں جو یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے اللہ و رسول کے کہے ہوئے کے خلاف ہونا یا نہ ہونا اور سہل عنوان یہ اختیار نہیں کیا کہ اللہ و رسول کے کہے ہوئے کے موافق ہونا یا نہ ہونا وجہ اس کی یہ ہے کہ موافقت سے شبہ ہوتا کہ خدا اور رسول نے بھی اس کا حکم کیا ہو تو اس سے متبادر معنی وجوب کے ہوتے ہیں حالاں کہ اطاعت حکامِ اسلام کی مباحات میں بھی ضروری ہے اس لئے وہ عنوان اختیار کیا کیوں کہ مباح پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ خلاف نہیں یعنی حرام نہیں اور موافق کہ موہم وجود ہے صادق نہیں آتا۔''[1]

اس کے برخلاف جن لوگوں نے اجتہاد کی تائید میں اپنی قوت صرف کی تھی وہ تقلید کی مذمت میں حدود سے تجاوز کر گئے تھے اور اجتہاد کی تائید میں اپنے آپ کو قابلِ اجتہاد قرار دے کر مسائل کا استنباط شروع کر دیا تھا، جیسا کہ حضرت تھانویؒ سے قبل کے مفسرین میں سرسید احمد خاں نے چند مسائل عصریہ میں اپنی قوت اجتہادی سے کام لے کر استنباط کرنا شروع کیا تھا جو یقیناً غلط تھا۔ چنانچہ انہوں نے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ.[2]

(تم پر حرام کئے گئے مردار اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور اونچے سے گر کر مر جائے او جو کسی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے) کی تفسیر میں یہ لکھا ہے:

''اس سے مراد جانور ہیں، لہٰذا پرند و طیور اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ طیور

---

[1] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۳۷۰ [2] سورہ مائدہ، آیت: ۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

گردن مڑوڑی اقسام کا کھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔"[1]

اس کے برخلاف حضرت تھانویؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں طیور منخنقہ کو بھی حرام قطعی میں داخل کیا ہے اور سرسید کے اجتہاد کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پس طیور منخنقہ بھی حرام قطعی ہیں۔ لا کما زعم بعض المحرفین."[2]

اسی کے ذیل میں چند مسائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"**مسئلہ**: ایک پانچویں شرط امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ہے کہ وہ جانور اس شکار کو زخمی بھی کر دے، جوارح کا مادہ جرح اسکا مشعر ہے۔

مسئلہ: ایک طریق شکار کا تیر یا بھالہ وغیرہ بھی ہے یہ بھی بشرائط حلال ہے۔

مسئلہ: جو حلال جانور وحشی نہیں ہیں وہ بدون ذبح حلال نہیں ہوتے، یہاں صرف وحشی جانور کا ذکر ہے، اسی طرح اگر شکاری جانور کے پکڑنے کے بعد مہلت ذبح کی ملی وہ بھی بدون ذبح کے حلال نہ ہوگا باقی تفصیل شکار کے احکام و مسائل کی کتب فقہ میں ہے۔"[3]

حضرت تھانویؒ نے اس طرح عصرِ جدید کے مجتہدین کی غلطیوں کی نشان دہی "بیان القرآن" میں کی ہے۔ جن کا اجتہاد، تاویل و تحریف معنوی درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے حضرت تھانویؒ قرآن مجید کو تحریف معنوی سے محفوظ کرنے کے لئے سلف صالح کا اتباع کرتے ہیں اور متجددین کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔

مسائل السلوک کا اہتمام

حضرت تھانویؒ کے بیان القرآن کا مطالعہ کیا جائے تو حاشیہ کی عربی عبارات کے عنوان "مسائل السلوک" پر فوراً نظر جاتی ہے۔ انہوں نے بیان القرآن میں مسائل السلوک کے بیان کا جس طرح التزام کیا ہے اور جس طرح کاوش کی ہے، اس سے ان کی عظمت و جلالت اور تبحر فی الکلام کا اندازہ ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں یا ان سے قبل جو تفسیریں اردو میں لکھی گئی تھیں ان میں مسائل السلوک کے استدلال و استخراج کا التزام نہیں تھا بلکہ

---

[1] تہذیب الاخلاق، ج ۲، ص: ۲۱۲ [2] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۴۴۸ [3] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۴۴۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس دور میں بعض لوگوں کی طرف سے تصوف کی شدید ترین مخالفت ہو رہی تھی اور اس کو بالکل غیر اسلامی قرار دیا جا رہا تھا۔ ایسے وقت میں انہوں نے اپنی تفسیر میں مسائل تصوف کے استخراج کا التزام کیا اور اپنی تفسیر کے حاشیہ کی عربی اور اردو عبارت میں ان کو بیان کیا۔ ایسا التزام اردو تفاسیر میں نہ ان سے قبل تھا اور ان کے عصر میں تھا۔ البتہ اُن سے قبل کی عربی تفسیروں میں مسائل تصوف کے استخراج و بیان کا التزام ملتا ہے بلکہ بعض تفسیروں میں تو صرف مسائلِ تصوف کے استخراج پر زور دیا گیا ہے جیسا کہ شیخ اکبر کی تفسیر میں ملتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تفسیر میں تمام تر تاویلی انداز اختیار کیا ہے اور ہر لفظ کی تفسیر ظاہر و باطن کے نظریہ سے کی ہے لیکن شیخ اکبر تصوف میں جس مسلک و مشرب کے قائل تھے حضرت تھانویؒ اس کے قائل نہ تھے اور نہ ان کا وہ مشرب تھا، اس لئے ان کی تفسیر کے سلوکی مسائل تمام تر ان کے لئے مقبول نہ تھے، البتہ روح المعانی میں علامہ خیر الدین آلوسی نے تصوف کے مسائل کے بیان کا بھی التزام کیا تھا اور اپنی تفسیر میں مسائل سلوک کو باب الاشارہ والتاویل کے عنوان سے جگہ جگہ بیان کیا تھا۔ اس لئے ان کی یہ تفسیر جس طرح حضرت تھانویؒ کے لئے دوسرے مسائل کے بیان میں مددگار تھی، تصوف کے مسائل میں بھی معین تھی۔

چنانچہ وہ تصوف کے مسائل کے استنباط میں روح المعانی سے مدد لیتے ہیں۔ مسائل السلوک کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"و قد جعلت تفسیر روح المعانی فی هذا المقصد اصلاً اصیلاً"[1]

مسائل سلوک کو حضرت تھانویؒ نے اپنی تفسیر میں جگہ دے کر اپنے عصر کی اس عظیم فکری بے راہ روی کی پیش بندی کی ہے جس کا غلغلہ ان کے دور میں عرب و عجم میں تمام تر پھیلا ہوا تھا اور علمائے عصر تصوف کو غیر اسلامی طریقہ خیال کرنے لگے تھے، جو ان کی اپنی کم علمی کی بنیاد پر مبنی تھا۔ اس لئے اس کی شدید ترین ضرورت تھی کہ اسلامی تصوف کے مآخذ کی نشاندہی کی جائے اور لوگوں کو اس طریقہ کی غفلت سے بچا کر ان کی اخلاقی و روحانی تربیت کی جائے۔

---

[1] بیان القرآن، مقدمہ، ج ۱، ص: ۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

غیر اسلامی نظریات کی تردید

تصوف میں ظاہراً بہت سے غلط امور داخل ہو گئے تھے بلکہ بعض غیر اسلامی طریقے بطور عبادت رائج ہو گئے تھے اس لئے تصوف کے اصلی سرچشمہ سے استنباط کے وقت اس کا بھی لحاظ ضروری تھا کہ باہر سے کوئی چیز درآمد نہ ہو اور خواہ مخواہ تاویل کے ذریعہ ان کو قرآن کے موافق بنا کر اسلامی نہ قرار دیا جائے، اس لئے حضرت تھانویؒ نے تصوف کے مسائل بیان کرتے وقت ان غیر اسلامی نظریات کی تردید کی ہے جو تصوف میں داخل ہو گئے تھے، مثلاً حلول کا نظریہ، یا وحدۃ الوجود کا نظریہ، یا اسی طرح کے دوسرے طریق ہائے تعبد جو تصوف کے طریقوں میں رائج ہو گئے تھے۔

مدعیان طریقت کا طریقہ

چنانچہ سورہ مائدہ کی آیت "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ"[1]

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو)

کے ذیل میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"قولہ تعالیٰ: یاایھا الذین آمنوا الخ اس میں رسم ترک حیوانات کا ابطال ہے، جو بعض مدعیانِ طریقت کا طریق ہے۔"[2]

اسی طرح آیت لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابن مریم

(اور بے شک وہ لوگ کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"اس میں بطلان حلول و اتحاد پر جس کے قائل جاہل صوفی ہیں، دلالت ہے۔"[3]

---

[1] سورہ مائدہ، آیت: ۸۷ [2] بیان القرآن، ج۱، ص: ۵۰۹ [3] بیان القرآن، ج۱، ص: ۵۰۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی طرح توسل بالصالحین پر جن لوگوں نے آیت "وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَة" (اور اللہ کا قرب ڈھونڈو)

سے استدلال کیا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"وسل بمعنی تقریب ہے جس کا ذریعہ طاعات کا کرنا اور معاصی کا چھوڑنا ہے اور توسل بالصالحین کے مسئلہ کو اس آیت سے کوئی مس نہیں۔"[1]

لقائے حقیقی سے محروم شخص

اسی طرح زینت دنیا کی طرف مائل شخص لقائے حقیقی سے محروم رہتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلاً.[2]

(بے شک جو لوگ معاوضہ حقری لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ نے ان سے کیا)

اس تعلق سے حضرت لکھتے ہیں کہ:

"اس میں اس شخص کی حالت کی طرف اشارہ ہے جو زینت دنیا کی طرف مائل ہو اور اس کو حضرت حق کے مشاہدہ پر ترجیح دیتا ہو اور اپنے ظاہر کو شعار مقربین کے ساتھ آراستہ رکھتا ہو مگر اس میں حب جاہ کی آمیزش بھی کرتا ہو، ایسا شخص حقیقی اور مخاطبت حق کے درجہ سے دنیا اور آخرت دونوں میں ساقط ہو جائے گا۔"[3]

اس طرح حضرت تھانویؒ نے قرآن مجید کے خالص روحانی و اخلاقی پہلو کو اجاگر کیا ہے جس کے ذریعہ بندہ قرب خداوندی کے مدارج طے کرتا ہے اور اپنے کو اعلیٰ اخلاق و اوصاف کا نمونہ بنا کر خدائی منشاء و مقصد کی تکمیل کرتا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے تقریباً سولہ سترہ سو مسائل قرآن سے اخذ کئے ہیں، جسے حاشیہ پر "مسائل السلوک فی کلام ملک الملوک" کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے ایک رسالہ "التکشف" میں ۳۳۰ حدیثوں سے نو سو اصول سلوک ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح اپنے ایک اور رسالہ "التصریف فی معرفۃ احادیث"

---

[1] بیان القرآن، ج۱، ص:۴۷۶ [2] سورہ آل عمران، آیت:۷۷ [3] بیان القرآن، ج۱، ص:۲۵۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں بھی کچھ کمزور حدیثوں سے چند سود ینی باتوں کو ظاہر کیا ہے۔

قرآن کا لغوی و بلاغتی اعجاز

مسائل السلوک کے بعد تفسیر ''بیان القرآن'' کی عظمت کو اردو تفاسیر کے درمیان جو چیز بیان کرتی ہے، وہ بیان القرآن کے اندر، لغت و بلاغت کی تحقیقات کا التزام ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں بلاغت کا اعجاز ہے۔ نہ ایسا کلام کسی کے بس میں ہے کہ بول سکے اور لکھ سکے۔ اس لئے اس کی کسی دوسری زبان کے اندر ترجمانی کرنے کے لئے بھی اس کے اعجاز بلاغت کا علم ضروری ہے جس کے لئے عربی زبان کے اندر ترجمانی کرنے کے لئے بھی اس کے اعجاز بلاغت کا علم ضروری ہے، جس کے لئے عربی زبان کے قرآنی لغات کا صحیح علم ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے اپنی تفسیر کے اندر ترجمانی کرتے ہوئے جن نکتوں کا لحاظ رکھا ہے اس کی توضیح قرآنی لغات کی تشریح سے کی ہے، جس سے بیان القرآن کے ترجمہ کا پڑھنے والا بصیرت کے ساتھ خدائی کلام کا اردو ترجمہ صحیح ترین بنیادوں پر سمجھتا ہے اور اس التزام سے حضرت تھانویؒ نے قرآن کے معنوی تحریف کی پیش بندی کی ہے، ان سے پہلے جن لوگوں نے اردو ترجمہ کئے تھے، ان میں سے بعض مثلاً سرسید، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کے قرآن کے ترجمہ میں غلطیاں ملتی ہیں، جن پر ان کے ہم عصروں اور بعد کے لوگوں نے تنقید کی ہے، جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ نے ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ کے غلطیوں کی نشاندہی ایک رسالہ لکھ کر کی ہے۔ جو ''اصلاح ترجمۂ دہلویہ'' کے نام سے مطبع نظامی کانپور سے ۱۹۱۱ء میں چھپا تھا، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے ان غلطیوں سے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' کو بچانے اور تحریفِ قرآنی سے اپنے آپ کو الگ رکھتے ہوئے اپنا ترجمہ کیا ہے اور اپنے ترجمہ کے دلائل حاشیہ کی عربی عبارت میں اللغات البلاغۃ اور ملحقات الترجمہ کے ذریعہ تشریح کر کے درج کی ہے اور جہاں کہیں مشکل لغت آئی ہے، اپنے ترجمہ کی بنیاد سلف سے پیش کر دی ہے، اس طرح صاف طور پر بصیرت رکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ ان کے پیشروؤں نے جو غلطیاں کی ہیں ان سے ان کا دامن پاک ہے اور ان کے ترجمہ کے پیچھے سلف صالحین کی فعالی اور بلاغتی اور تفسیری تحقیقات

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے دلائل ہیں۔ پچھلے باب میں ہم تفسیر بیان القرآن کے ترجمہ کی خصوصیات سے بحث کر چکے ہیں، جس سے اس ترجمہ کی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہندوستانی مفسرین قرآن کے بلاغتی امور سے بحث نہیں کرتے ہیں جس کی وجہ ایک تو یہ ہوتی ہے کہ وہ خود قرآن کے بلاغتی اعجاز پر عبور نہیں رکھتے۔ دوسرے اپنے قاری کو سامنے رکھ کر تفسیر لکھتے ہیں اور یہ لوگ عموماً ایسے ہوتے ہیں جو عربی زبان کے قواعد سے واقف نہیں ہوتے جس سے عام طور پر غلط فہمی یہ ہوگئی تھی کہ اعتقاد کی حد تک تو قرآن کو اپنے معانی و بیان کے اعتبار سے معجزہ سمجھا جاتا تھا لیکن فکر و عقل سے عملی طور پر اس کا ایقان نہ ہوتا تھا، چنانچہ ایسا ہی کچھ ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمے، سر سید احمد خاں کی تفسیر و ترجمہ، مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے بلکہ قرآن کے دوسرے ترجموں مثلاً مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجمے، مولانا شیخ الہندؒ کے ترجمے، مولانا شاہ مراد اللہ انصاری، سید امر علی، مولانا فتح محمد جالندھری، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کے ترجمے سے محسوس ہوتا ہے۔ حتی کہ ترجمہ کی فنی غلطیاں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمے تک میں ملتی ہیں جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ نے تفسیر کے مقدمہ میں اپنے ترجمہ کو قابل فہم، آسان اور تحت اللفظ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے۔

ان سے پیشتر اردو مترجمین کے ان ترجموں سے قرآن کا اعجاز بالکل سامنے نہیں آتا ہے۔ اگر اس کی وجہ تلاش کی جائے تو مختلف وجوہ سامنے آئیں گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ جب کیا جاتا ہے تو عربی زبان کی تمام تر گہرائیاں اور بلاغتیں اردو کے قالب میں نہیں سما سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ تھی کہ قرآن کو خود خدا نے اعجاز و بلاغت کا نمونہ بنایا تھا، اس لئے اگر کسی اور زبان میں اس کا ترجمہ بھی اسی شان و بلاغت کا نمونہ ہوتا تو ایک دوسری انسان تخلیق اس کے مماثل ہو جاتی۔ جو انسان کی قدرت سے باہر تھا۔ اس لئے اس کی ضرورت تھی کہ ترجمہ کے اندر اگر قرآن کا اعجاز نہیں سما رہا ہے تو الگ سے اپنی عقل و فکر کی بدولت اس اعجاز کی طرف قاری قرآن کو متوجہ کیا جائے اور قرآن کے اعجازی خصوصیات و کمالات کو ظاہر کیا جائے گا۔ اگر اس نگاہ اور اس پہلو سے ہم تفسیر بیان القرآن کو دیکھتے ہیں تو اردو تفاسیر کے اندر اس کی حیثیت ایک مثالی اور انقلابی تفسیر کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جاتی ہے۔ اگر چہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مقدمہ ترجمان القرآن میں قرآن کے اعجازی امور کی طرف توجہ دلائی تھی مگر وہ بھی قرآن کے اعجاز کو اپنی تفسیر کے اندر ظاہر نہ کر سکے تھے اور یہ حضرت تھانویؒ کا کمال ہے کہ وہ اختصار کو مدِّنظر رکھتے ہوئے حاشیہ کی عربی عبارت میں ''البلاغۃ'' کا عنوان لگا کر ہر جگہ قرآن کے بلاغتی اوصاف و کمالات کی نشان دہی کرتے ہیں، لیکن یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ انہوں نے قرآنی بلاغت کو خالص فنی طریقہ پر پیش کیا ہے اور یہ انہی لوگوں کے لئے مفید ہے جو عربی زبان کے بلاغتی فن اور اس کے رموز و اشارات اور اصطلاحات کو سمجھتے ہوں۔

مثلاً قرآنی آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔[1]

(اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنی خیرات برباد مت کرو)

اس آیت کے بلاغتی اعجاز کو ظاہر کرتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ:

''قوله لا تبطلوا الخ ههنا ابطالان الاول افساده بعد صحته والثانی اتیانه باطلا من الراس. من روح المعانی – فی حاشیة البیضاوی برمزف فالمنافق کالصفوان و نفقته کالتراب و ریاه کالوابل و قال فی روح المعانی لو جعل مرکبا صح قیل و هذا هو الا وجه. بروبة فی روح المعانی للطافة هوائها من انفسهم جواز ان تکون بمعنی اللام والمعنی توطینا لانفسهم علی طاعة اللّٰه تعالٰی ضعفین ای ضعفا بعد ضعف فالتثنیة للتکثیر – او مثلی ما کانت تثمر فی سائر الاوقات بسبب ما اصابها من الوابل او اربعة امثاله بناء علی الخلاف فی ان الضعف هل هو المثل او المثلان کذا فی روح المعانی''[2]

حضرت تھانویؒ عظیم عربی ادیب علامہ زمخشری کی تفسیر ''کشاف'' اور علامہ خیر الدین آلوسی کی تفسیر ''روح المعانی'' کے ذریعہ قرآن کے ادبی عظمت سے واقف تھے جیسا کہ

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۶۴ [2] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۱۹۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذکورہ بالا عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے، اس لئے وہ حاشیہ کے اندر ''البلاغۃ'' کے عنوان کے تحت اُنہی دونوں تفسیروں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں جس سے وہ اردو داں طبقہ جو عربی زبان کو سمجھتا ہے، قرآن کی ادبی وعظمت سے کسی قدر آگاہ ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کہ حضرت تھانویؒ نے اس موضوع پر لکھا ہے۔ اگر کسی قدر اور تفصیل سے کام لیتے اور اسی طرح عنوان لگا کر قرآن کی بلاغت کی مزید توضیح کر دیتے تو ہندوستانی علماء کے لئے قرآنی اعجاز کی واقفیت آسان ہو جاتی، وہ اردو ترجمہ بھی پڑھتے، تفسیر بھی پڑھتے اور مزید تفکر وتدبر سے کام لے کر ان کے بلاغتی امور کو بھی سمجھتے۔

علم القراءت والاعراب

ابتدائی اسلام میں قرآن کی تلاوت مختلف لہجوں اور عرب کے مقامی لوگوں کی زبانوں میں ہوتی تھی، پھر قریش کے زبان ولب ولہجہ میں اس کو محصور کر دیا گیا اور دوسرے لہجوں کو منسوخ کر دیا گیا مگر اس میں بھی تلفظ اور بعض الفاظ کی ادائیگی اور اعراب میں کچھ اختلاف رہا، جو بعد میں چل کر سات قراء قرآن کی زبانوں میں محصور ہو گیا اور ان ہی کی قراءتیں موجودہ قرآن کے تلفظ واعراب کی بنیاد ہیں۔ قراءِ سبعہ (۱) نافع مدنی (۲) ابن کثیر مکی (۳) ابوعمر البصری (۴) ابن عامر الشامی (۶) حمزہ الکوفی (۷) اور کسائی الکوفی۔ ان تمام لوگوں کی قراءتوں کا احاطہ حضرت تھانویؒ نے کیا ہے۔ وہ اولاً لفظ قرآن کو نقل کرتے ہیں، اس کے بعد قراءِ سبعہ میں سے جس کا قول اس کے تلفظ ولہجہ وغیرہ کے باب میں ہوتا ہے اس کو نقل کرتے ہیں اور عام طور پر انہوں نے اس باب میں بھی علامہ آلوسی کی ''روح المعانی'' کے نقول پر اعتماد کیا ہے۔ بعض جگہ انہوں نے بیضاوی وغیرہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ قراءت سبعہ کے سلسلے میں لکھی گئی کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔

مثلاً قرآنی آیت: وَيُكَفِّرُ عَنكُم سَيِّاٰتِكُمْ[1]

کی قراءت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۷۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

"قولہ و یکفر عنکم قرأۃ نافع و الحمزۃ و الکسائی بہ (ای بالنون) بجزء ما (معطوفۃ) علی محل الفاء و مابعدہ کذا قال البیضاوی."[1]

حضرت تھانویؒ نے اس طرح جو کارنامہ قراءتوں کے بیان میں انجام دیا ہے اس سے علم القراءت والاعراب اور علم التفسیر کے مابین مزعومہ دوری ختم ہوجاتی ہے۔ اُن کے اس طرز کے بالمقابل اردو تفسیروں میں اگر علم القراءۃ والاعراب کو تلاش کیا جائے تو نگاہ تھک کر مایوس واپس آجاتی ہے حالاں کہ علم التفسیر کا ایک اہم باب علم الاعراب والقراءۃ ہے۔ اس کے علم سے قرآن کے اندر مابین القراءات دقیق نکتوں کا علم ہوتا ہے اور بہت سے حقائق سے پردے اٹھتے ہیں۔

ترجمہ پر اہل علم کی آراء

بیان القرآن کی مقبولیت کا ایک اہم سبب اس کا ترجمہ ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن لکھتے ہیں:

"بندے کے احباب میں مولوی عاشق الٰہی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو ترجمہ کیا ہے احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو خرابیوں سے پاک صاف اور عمدہ ہیں۔"[2]

مولوی سید محبوب رضوی زیر نظر ترجمہ قرآن مجید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا نے یہ ترجمہ اپنی تفسیر بیان القرآن کے ضمن میں کیا ہے۔ مستند علماء کی متفقہ رائے ہے کہ یہ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود بامحاورہ، مطلب خیز، سلیس اور نہایت عام فہم ہے اور ان اغلاط اور خلل لفظی سے پاک ہے جو اردو کے اکثر تراجم میں پائے جاتے ہیں۔"

مقدمہ ترجمہ قرآن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن لکھتے ہیں کہ:

"بندہ کے احباب میں اول مولوی عاشق الٰہی سلمہٗ، ساکن میرٹھ نے ترجمہ کیا، اس کے بعد

---

[1] بیان القرآن، ج ۱، ص: ۱۹۷ [2] مقدمہ تفسیر عثمانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا اشرف علی صاحب سلمہ اللہ نے ترجمہ کیا۔ احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا جو جملہ خرابیوں سے پاک وصاف اور عمدہ ترجمے ہیں۔"

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اس ترجمہ میں بیان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی ہے جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے ترجمے خالی ہیں اور اس ترجمہ میں ایک خاص بات یہ رکھی گئی ہے کہ کم علمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآنی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں، ان کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ بغیر کسی تاویل کے وہ شک ہی پیش نہ آئے۔"[1]

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"ترجمہ بامحاورہ ومطلب خیز ہے باقی ترجموں سے بے نیاز کردینے والا ہے"

مولانا عبدالشکور ترمذی لکھتے ہیں:

"ترجمہ بامحاورہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ زبان کی سلاست اور بیان کی صحت میں وہ بڑے تراجم سے سبقت لے گیا ہے، ترجمہ صحیح اغلاط سے پاک ہے اور زبان فصیح ہے۔"[2]

تفسیر پر اہل علم کی آراء

علامہ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:

"مولانا نے اپنی تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوالِ سلف صالحین کا التزام کیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ شبہات اور شکوک کو حل کیا گیا ہے۔ صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہیں۔ تمام کتب تفاسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ یہ تفسیر تیرہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ اور مختلف و

---

[1] یادرفتگاں، سید سلیمان ندوی، مجلس نشریات اسلامی کراچی، ص: ۳۵۳

[2] ماہنامہ الحسن، حضرت تھانوی نمبر، ص: ۲۳۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

منتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔''[1]

مولانا انور شاہ کشمیری نے فرمایا:

''میں سمجھتا تھا یہ تفسیر عوام الناس کے لئے لکھی گئی ہے لیکن تفسیر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس سے علماء بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔''[2]

مولانا ادریس کاندھلوی نے فرمایا:

''جو مضامین کئی صفحات کے بعد مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتے، حضرت تھانویؒ انہیں چند سطروں میں حل کر دیتے ہیں۔''[3]

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''اس کی قدر و قیمت تو صرف وہی علماء جان سکتے ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن کے پورے ذخیرے کو چھانا ہو اور مشکل مقامات پر مختلف مفسرین کی تفسیریں پیش نظر رہی ہوں۔ وہ دیکھیں کہ بڑے بڑے اشکالات کو دو چار لفظوں میں حل کر دیا گیا ہے۔''[4]

---

[1] ماہنامہ الحسن، ص: ۱۲۰

[2] تاریخ دار العلوم، ج ۲، ص: ۲۰۶

[3] ماہنامہ الرشید، دار العلوم نمبر، ص: ۵۷۴

[4] علوم القرآن، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، ص: ۵۰۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتابیات

قرآن کریم	
مسلم شریف	
بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں	
تاریخ تفسیر و مفسرین	پروفیسر غلام احمد حریری
اردو تفاسیر، جمیل نقوی	
شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ	پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی
فضلائے دارالعلوم کی قرآنی خدمات	
قرآن کریم کے اردو ترجمے	ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین
تاریخ قرآن شریف	قاری شریف احمد صاحب
اصلاح ترجمہ دہلویہ	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تفسیر حقانی (تفسیر فتح المنان)	حضرت مولانا عبدالحق صاحب
موضح القرآن	حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب
برصغیر میں مطالعۂ قرآن	ڈاکٹر صاحب زادہ ساجد الرحمٰن
ترجمہ شیخ الہند	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
تاریخ التفسیر	ڈاکٹر عبدالصمد صارم الازہری
علم تفسیر اور مفسرین	حافظ مشتاق احمد چشتی صاحب

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاج العروس	شیخ محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی
لسان العرب	ابن منظور افریقی
البحر المحیط	ابوالحیان اندلسی
کشف الظنون	الحاج خلیفہ مصطفیٰ بن عبدالعزیز
الاتقان فی علوم القرآن	مصطفیٰ الحبلی
مناہل العرفان	شیخ عبدالعظیم الزرقانی
ہمارے دینی علوم	مولانا اسلم جیراجپوری
دانش گاہ پنجاب	دائرہ معارف اسلامیہ
عربی وفارسی تفسیر نویسی میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ	جمال الدین اعظمی
ہندوستان میں اسلامی علوم وادیان	عمادالحسن آزاد فاروقی
علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء	پروفیسر محمد سالم قدوائی
عجائب الہند	بزرگ بن شہریار
مقالات	پروفیسر خلیق احمد نظامی
الفوز الکبیر	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
کتاب التعیبۃ	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
شرح عقائد	شیخ محمد عمر النسفی
الموافقہ	ابن تیمیہ
تہذیب الاخلاق	مولانا سرسید احمد خاں صاحب
یادرفتگاں	حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب
ماہنامہ الحسن (مجموعہ مقالات)	حضرت تھانویؒ
بیان القرآن کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر ریحانہ ضیاء صدیقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

Tafseer Bayanul Quran: Ek Jayeza

by

Maulana Mufti Mohammad Izharul Haque Qasmi

خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن کی چند اہم مطبوعات

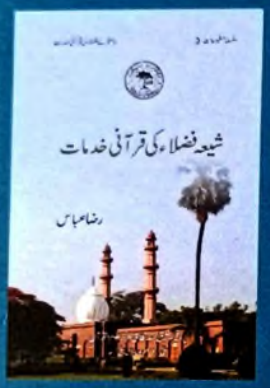

ISBN:978-93-88928-07-6
₹ 200/-

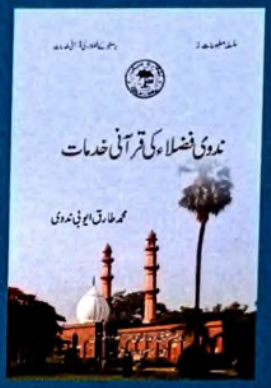

ISBN:978-93-88928-05-2
₹ 300/-

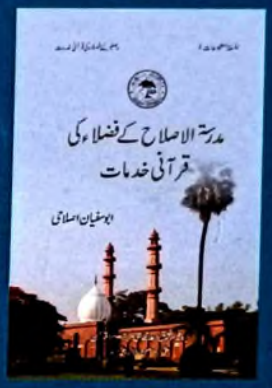

ISBN: 978-93-88928-03-8
₹ 400/-

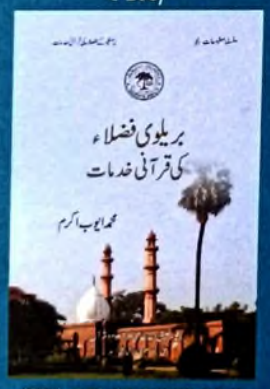

ISBN: 978-93-88928-95-3
₹ 500/-

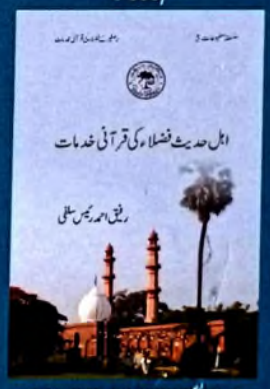

ISBN:978-93-88928-13-7
₹ 400/-

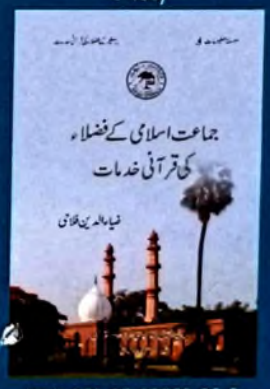

ISBN:978-93-88928-08-3
₹ 350/-

ISBN:978-93-87497-06-1
₹ 300/-

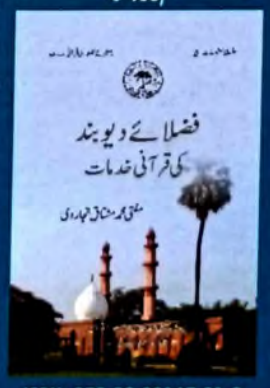

ISBN: 978-93-90167-31-9
₹ 600/-

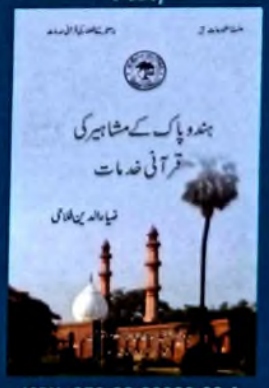

ISBN: 978-93-88928-99-1
₹ 500/-

K. A. Nizami Centre for Quranic Studies
Aligarh Muslim University, Aligarh -202002, INDIA

BROWN BOOKS
Opposite Blind School, Qila Road,
Shamshad Market, Aligarh-202001
Mob: +91-7906863461, Ph: 0571 2970227
E-mail: bbpublication@gmail.com
Website: www.brownbooks.in

₹ 300/-
ISBN: 978-81-19399-12-3

toobaa-elibrary.blogspot.com